(الف) ایمانیات

ا۔ عقیدہ توحید

(صفاتِ باری تعالیٰ کا تعارف، توحید کے تقاضے)

حاصلاتِ تعلم

- عقیدۂ توحید کے معنی، مفہوم اور اہمیت سمجھ کر بیان کر سکیں۔
- صفات باری تعالیٰ کی وضاحت کر سکیں۔
- توحید کے تقاضے سمجھ کر بیان کر سکیں۔

عقیدۂ توحید: عقیدۂ توحید (ایمان باللہ)، اسلام کے بنیادی عقائد میں سب سے پہلا عقیدہ ہے۔ "عقیدہ" کا لفظ "عقد" سے ماخوذ ہے، جس کے لفظی معنی ہے مضبوط گرہ لگانا۔ عقیدہ سے مراد وہ خیالات و افکار ہیں جن پر انسان پختہ یقین رکھتا ہو، جو انسان کے کردار اور رویوں پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ "توحید" کے لغوی معنی ہیں ایک جاننا اور ایک ماننا ہے۔

دین کی اصطلاح میں عقیدۂ توحید کا مطلب ہے: کہ اس کائنات کا خالق و مالک و مختار کل صرف اللہ تعالیٰ ہے جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا، جس کی نہ ابتدا ہے اور نہ انتہا اور نہ کبھی اس پر فنائیت آئے گی۔ معبود حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، اس نے اس کائنات کی ہر چیز کو پورے تناسب اور اس کے نظام کو پورے نظم وضبط کے ساتھ بنایا ہے۔ جس کا علم پوری کائنات کے ذرے ذرے پر محیط ہے، جو پوری کائنات کو دیکھتا ہے اور سب کی سنتا ہے اور سب کو رزق پہنچاتا ہے اور انھیں ہدایات دیتا ہے۔ جس کی نظیر اور مثال کوئی نہیں۔ وہ ہی مخلوق کے نفع و نقصان کا مالک ہے، اس کے علاوہ کوئی نہیں، وہ ہی ہے موت کے بعد دوبارہ ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی دینے والا، وہ ذات صرف ایک ہے، اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ اس عقیدہ کو دل کے پختہ یقین کے ساتھ ماننا اور بوقتِ ضرورت اس کا زبان سے اقرار کرنا اور اعمال سے اظہار عقیدہ توحید کہلاتا ہے۔

توحید کی اہمیت: قرآن مجید میں جابجا توحید کی تعلیم دی گئی ہے خصوصاً سورۃ الاخلاص میں "توحید مطلق" کو نہایت ہی جامع انداز میں پر اس طرح بیان کیا گیا ہے: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ ① اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ ② لَمْ يَلِدْ ۙ وَ لَمْ يُوْلَدْ ۙ ③ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۚ ④ (سورۃ الاخلاص: ا۔ ۴)۔ ترجمہ: کہو کہ وہ معبود برحق اللہ ہے۔ (۱) وہ ایک ہے۔ (۲) اللہ بے نیاز ہے۔ (۳) وہ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا۔ (۴) اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔ کلمہ طیبہ کا پہلا جزء: لا الٰہ الا اللہ ہے، جو اسی عقیدہ کی عکاسی کرتا ہے۔ توحید کو اللہ تعالیٰ نے دین کی بنیاد اور اس کا پہلا رکن قرار دیا ہے۔ حضور کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ قُوْلُوْ

الا إلٰهَ إلا اللهُ تُفْلِحُوا. ترجمہ: لا الہ الااللہ کہہ دو۔ کامیاب ہو جاؤ گے۔، یہ ہی تمام عبادات کا نچوڑ ہے جس کے بغیر نیکی قبول ہی نہیں کی جاتی، نیک اعمال چاہے پہاڑوں کے برابر ہوں عقیدہ توحید کے بغیر بالکل غارت ہو جائیں گے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ تک جتنے بھی انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے ہیں، سب نے لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور عقیدہ توحید ہی تمام نبیوں کی عملی زندگی میں بنیادی اصول، رکن اور ستون کا درجہ رکھتا ہے۔ توحید ہی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کا نقطہ آغاز تھا ہر نبی اور رسول نے ایک ہی کلمہ پڑھا لاالہ الا اللہ اور آخری نبی حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے بھی اسی وحدہ لا شریك له کی طرف ہی بلایا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی کامیابی کا مدار ایمان اور عمل صالح پر رکھا ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اور جو ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔" (سورۃ فاطر، آیت:۷)۔

صفاتِ باری تعالیٰ: اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالیہ بہت ساری صفاتِ کمالیہ اور اوصافِ حمیدہ سے موصوف ہے۔ اس کی صفات اس کی ذات کی مانند ہیں وہ اس کی ذات کی طرح ازلی و ابدی ہیں۔ وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا۔ (الاعراف:۱۸۰) ترجمہ: اور اللہ کے سب نام اچھے ہی اچھے ہیں تو اس کو انھی ناموں سے پکارا کرو۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:

ا۔ اللہ تعالیٰ ازلی اور ابدی ہے: هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ "وہی اول ہے اور وہی آخر ہے۔" (سورۃ الحدید آیت:۳)۔ اس کا مطلب ہے کہ پہلے کچھ نہیں تھا اور وہ موجود تھا اور کچھ آخر میں نہیں ہو گا مگر وہ موجود ہو گا، وہ ہمیشہ سے ہے اور تا ابد رہے گا، کسی نے اسے پیدا نہیں کیا ہے۔

ا۔ الحی (ہمیشہ زندہ غیر فانی): یہ وہ صفت ہے جس سے اس کا وجود بقاء، دوام ازلیت اور بے زوالی ظاہر ہوتی ہیں۔

۲۔ القدیر والقادر (قدرت والا): یہ وہ صفت ہے جس سے اس کی قدرت کی وسعت کا اظہار ہوتا ہے۔

۳۔ الخالق (پیدا کرنے والا): وہ خالق ہے یعنی اس نے تمام کائنات کو پیدا کیا ہے اور عدم سے وجود میں لایا ہے۔ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ "اللہ ہر چیز کا خالق ہے" (سورۃ الزمر آیت:۶۲)

۴۔ العلیم۔ (سب کچھ جاننے والا): وہ علیم ہے یعنی وہ ہر بات، ہر کام اور ہر حرکت کو جانتا ہے۔ کوئی کام دن کی روشنی میں ہوا ہو یا رات کے اندھیرے میں، مجمع میں ہوا ہو یا تنہائی میں، صحرا میں ہوا ہو یا سمندر کی تہ میں۔ کوئی چیز اس کے علم سے چھپی ہوئی نہیں۔ کوئی کام ماضی میں ہوا ہو یا حال میں، یا مستقبل میں ہو گا، وہ سب کچھ جانتا ہے، کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ "بیشک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے" (سورۃ توبہ:۱۱۵)

۵۔ السمیع (سب کچھ سننے والا): وہ سمیع ہے۔یعنی وہ سب کو سنتا ہے، چاہے کوئی زبان سے پکارے یا دل میں، تنہائی میں پکارے یا مجمع میں، عربی زبان میں پکارے یا کسی اور زبان میں، وہ سب کی سنتا ہے اور ہر وقت سنتا ہے۔اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡم۔ ترجمہ: بیشک اللہ سنتا جانتا ہے۔(البقرہ:۱۸۱)

۶۔ البصیر (سب کچھ دیکھنے والا): وہ بصیر ہے۔کائنات کی کوئی چیز اور کوئی کام اس سے اوجھل نہیں چاہیے وہ ظاہر ہو یا پوشیدہ، سمندر کی گہرائی میں ہو یا زمین کی تہوں میں سب کو دیکھتا ہے۔وَ ھُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ﴿۱۱﴾"ترجمہ: اور وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔" (سورۃ شوریٰ، آیت: ۱۱)

۷۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیۡدُ (البروج:۱۶) ترجمہ: جو چاہتا ہے سو کر ڈالتا ہے۔ سارے کام اس کی مشیت سے ہو رہے ہیں۔

توحید کے تقاضے: توحید صرف آخرت کی کامیابیوں اور کامرانیوں کی ضمانت نہیں بلکہ دنیا کی فلاح و سعادت کا باعث بھی ہے۔ قرآن مجید اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے ارشادات بتاتے ہیں کہ عقیدۂ توحید کے کچھ اہم اور بنیادی تقاضے ہیں، جن پر یقین رکھنا اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے، ان میں سے کچھ اہم یہ ہیں:

- اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل ہے۔کائنات کی کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ جیسی نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "اس جیسی کوئی چیز نہیں" (سورۃ شوریٰ، آیت:۱۱)۔اس لیے اللہ تعالیٰ کو بے مثال ذات ماننا چاہیے۔
- صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کی رضاجوئی کی انسان کو فکر کرنی چاہیے۔
- تمام اعمال و حرکات جو عبادت کے زمرے میں آتے ہوں، ان کو اللہ ہی کے لیے مخصوص کرنا چاہیے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَنۡ لَا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ۔ (الاسراء:۲۳) ترجمہ: اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ سجدہ اسی کو کیا جائے گا، نذریں اور منتیں اسی کے لیے مانی جائیں گی، دعائیں و مناجات اسی سے کی جائیں گی، پناہ اسی سے مانگی جائے گی، غیبی امداد کے لیے صرف اسی کو پکارا جائے گا۔
- تمام جذبات و احساسات بھی اللہ ہی کے لیے مخصوص کیے جائیں جن میں عبادت کی روح پائی جاتی ہو؛ جیسے حمد و شکر، امید، توکل، خوف و تقویٰ اور حقیقی محبت و عقیدت و خشیت، خشوع و خضوع وغیرہ۔
- اس پوری کائنات کا حقیقی مقتدرِ اعلیٰ صرف اللہ کو ماننا چاہیے۔ حکم دینے اور منع کرنے کا حق صرف اسی کو ہے۔ حقیقی شارع اور قانون ساز بھی صرف وہی ہے۔ مخلوق کی زندگی کا قانون متعین کرنے، اسے معاف کرنے یا سزا دینے کا حق صرف اسی کو ہے۔

- اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت اور امر و نواہی کے مطابق اس دنیا کی زندگی بسر کی جائے۔
- اللہ تعالیٰ پر اس کی ساری صفات کے ساتھ ایمان لانا۔

توحید کے یہ بنیادی تقاضے اتنی اہمیت رکھتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار اللہ پر ایمان رکھنے کے دعوے کو بے معنی کر دیتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ ساری باتیں عقیدہ توحید کے اصل مفہوم میں شامل ہیں، اور کوئی شخص اس وقت تک صحیح معنوں میں مسلمان ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ اس عقیدہ پر پورے مفہوم کے ساتھ ایمان نہ لائے۔

عقیدۂ توحید کے زندگی پر اثرات: جب عقیدۂ توحید دل و دماغ میں راسخ ہو جاتا ہے تو اس کی شخصیت میں کچھ اثرات / ثمرات نمایاں ہوتے ہیں۔ اسلامی عقائد کا اثر انسان کی عملی زندگی پر بھی پڑتا ہے، انسانی سیرت و کردار اور اعمال و اخلاق کو سنوارتے ہیں۔ عقیدۂ توحید کے نمایاں اثرات جو انسانی زندگی پر پڑتے ہیں وہ یہ ہیں:

- ذات باری تعالیٰ اور اس کے اسماء وصفات پر ایمان سے بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت و تعظیم پیدا ہوتی ہے، جس کے نتیجے میں وہ اوامر الٰہی پر کاربند رہتا ہے اور نواہی سے احتراز کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام پر کاربند رہنا اور منہیات سے اجتناب کرنا ہی فرد اور معاشرے کے لیے دنیا و آخرت میں کمال سعادت ہے۔
- انسان کو حریت و آزادی کا بلند ترین مقام عطا کرتا ہے۔
- انسان کے اندر پرہیزگاری، خودداری وعزت نفس کے اوصاف پیدا کرتا ہے۔
- انسان میں عجز وانکساری پیدا کرتا ہے۔
- وسعت نظر کی وجہ سے تمام مخلوق کو محبت اور پیار سے دیکھتا ہے اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔
- انسان میں استقامت و بہادری، قناعت، بے نیازی، عزم و حوصلہ، صبر و توکل کی طاقت عطا کرتا ہے، جس کی وجہ سے وہ دنیا کی مصیبتوں کا جوان مردی سے مقابلہ کرتا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رحمت پر پورا یقین ہونے کی وجہ سے وہ کبھی بھی مایوس اور ناامید نہیں ہوتا، بلکہ وہ نڈر ہو کر اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد بالسیف کرتا ہے اور موت سے نہیں ڈرتا ہے۔
- انسان میں بنی نوع انسان کی وحدت اور مساوات کا تصور پیدا کرتا ہے۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

۱۔ عقیدہ توحید کی وضاحت کریں۔

۲۔ توحید کے تقاضے پر تفصیلی نوٹ تحریر کریں۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

۱۔ ایمان کا مفہوم کیا ہے؟

۲۔ عبادت کسے کہتے ہیں؟

۳۔ عقیدہ توحید کے اثرات پر نوٹ تحریر کریں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ازلی و ابدی ہے۔ وضاحت کریں۔

۵۔ توحید کا کیا مطلب ہے؟

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے "✓" کا نشان لگائیں:

۱۔ توحید کے لفظی معنی ہیں:

(الف) ایک ماننا　　(ب) یقین کرنا

(ج) نظم و ضبط رکھنا　　(د) ہدایت و رہبری کرنا

۲۔ ایک مسلمان کو پہلے:

(الف) عقیدہ درست کرنا چاہیے　　(ب) نماز پڑھنا چاہیے

(ج) بااخلاق ہونا چاہیے　　(د) حج کرنا چاہیے

۳۔ انسان کی فلاح و نجات کا مدار ہے:

(الف) صبر و شکر پر　　(ب) اخلاق و تقویٰ پر

(ج) ایمان و عمل صالح پر　　(د) تحمل و بردباری پر

ہدایات برائے اساتذہ کرام

اساتذہ کو چاہیے کہ وہ شرک، شرک کی مذمت، شرک کے اقسام پر مختصر وضاحت کریں۔

۲۔ عقیدۂ رسالت

حاصلاتِ تعلم

- نبوت ورسالت کے معنی ومفہوم کو سمجھ سکیں۔
- ضرورتِ نبوت ورسالت واضح کر سکیں۔
- حب رسول، اطاعت واتباع رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی اہمیت جان کر بیان کر سکیں۔
- ختم نبوت کا مفہوم اور اس کی ضرورت سمجھ کر بیان کر سکیں۔
- روزمرہ کی زندگی میں عقیدہ رسالت کو اپنا سکیں۔

نبوت و رِسالت کے لغوی و اصطلاحی معنی و مفہوم: عقیدہ رسالت اسلام کا دوسرا اہم اور بنیادی عقیدہ ہے۔ لفظ "نبوت" "نبا" سے ماخوذ ہے، جس کے لفظی معنی خبر کے ہیں۔ اور خبر دینے والے کو "نبی" کہا جاتا ہے، اس کی جمع انبیاء ہے۔ اور "رسالت" لغت میں پیغام پہنچانے کو کہتے ہیں۔ اور پیغام پہنچانے والے کو "رسول" کہا جاتا ہے، جس کی جمع رُسُل ہے۔

دین کی اصطلاح میں "نبوت و رسالت" ایک اعلیٰ روحانی منصب ہے جن پر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے خاص خاص بندوں کو منتخب کر کے فائز فرمایا ہے۔ جس کے ذریعے انسان کو معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ مطلب کہ نبوت و رسالت ایک ایسا منصب ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان رابطے کا کام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اپنے احکام وہدایات اپنے بندوں تک پہنچاتا ہے اور ان کے ذریعے انسانوں کی ہدایت اور اصلاح وتربیت کرتا ہے۔ جو شخصیت اس منصب پر فائز ہوتی ہے اسے نبی یا رسول کہا جاتا ہے، رسالت ملنے سے پہلے بھی رسول کی حیثیت اپنی قوم میں اعلیٰ ہوتی ہے۔ وہ معصوم، پاکباز، نرم خو، نیک طینت، سچا اور امانتدار ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے پہلے جتنے بھی انبیاء ورسل بھیجے ہیں، سب پر ایمان لانا فرض ہے۔

اسلام کے سلسلہ عقائد میں توحید کے بعد "رسالت" کا درجہ ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ۔ (البقرہ:۲۸۵)۔ ترجمہ: سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس کے پیغمبروں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔

ضرورتِ نبوت ورسالت:

۱۔ اسلام نے انسان کی پیدائش اور زندگی کا مقصد "اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت" انبیاء ورسل کے ذریعے بتایا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس پر انسان کی دنیا وآخرت کی فلاح ونجات کا دارومدار ہے۔

۲۔ انسان فطری طور پر چاہتا ہے کہ عملی زندگی کے لیے اس کے سامنے کوئی مثال یا نمونہ ہو، جسے دیکھ کر اس کے موافق زندگی گزار سکے اور پیغمبروں کی زندگی لوگوں کے لیے بہترین مثال یا نمونہ عمل ہوتی ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے نبی اور رسول پر کتاب نازل فرماتا ہے۔ صاحب کتاب اس کی تعلیمات اور احکامات اور حکمتیں سکھاتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ترجمہ: اللہ نے مومنوں پر یقیناً احسان کیا ہے کہ ان میں ان ہی میں سے پیغمبر بھیجے جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے اور (اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں۔ اور پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔ (آل عمران: ۱۶۴)

۴۔ اسلامی عقیدے کے مطابق یہ دنیا عمل کی جگہ ہے اور آخرت محاسبہ اور پوچھ گچھ کی جگہ۔ اب اگر لوگوں کو سرے سے کوئی رہبری فراہم نہ کی جائے تو قیامت کے دن ان سے کوئی پوچھ گچھ نہیں کی جاسکتی۔ کیوں کہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں تو کوئی ہدایت ہی نہیں ملی تو ہم عمل کیسے کرتے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبعی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے بندوبست فرمایا ہے، اسی طرح روحانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے نبوت ورسالت کا اہتمام فرمایا۔ رسولوں اور انبیاء کرام علیہم السلام کو دنیا میں لوگوں کو دینِ حق کی دعوت دینے کے لیے بھیجا گیا کہ وہ انسانوں کو ایمان کی طرف بلائیں اور اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت کا حکم دیں، تاکہ لوگوں پر حجت پوری ہو جائے پھر کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں تھا۔ (النساء: ۱۲۵)

حبِ رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ: قرآن کریم کی روشنی میں نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے ساتھ ہمارے تعلق کی چار بنیادیں ہیں۔ ۱۔ ایمان ۲۔ اطاعت ۳۔ اتباع ۴۔ محبت۔ حُب یا محبت ایک فطری کشش اور فطری جذبہ کا نام ہے، اور اگر یہ محبت مذہب کے رشتے کی بنیاد پر ہو تو "روحانی محبت" یا "ایمان کی محبت" کہلاتی ہے۔ آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی ذاتِ گرامی ہماری ہر قسم کی محبت کی حقدار ہے اور ایمان کا تقاضا ہے، کیوں کہ وہ ہستی اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مومنوں کے محسن و مربی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے ساتھ محبت کا حکم دیتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ایمان یا اطاعت معتبر ہی نہیں جس کی بنیاد محبتِ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ پر نہ ہو۔

پھر اس محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبت بھی محض ظاہری اور رسمی قسم کی نہ ہو بلکہ ایسی محبت ہو جو تمام محبتوں پر غالب آجائے، جس کے مقابلہ میں عزیز سے عزیز تر رشتے اور محبوب سے محبوب تر تعلقات کی بھی قدر و قیمت نہ رہ جائے، جس کے لیے دنیا کی ہر چیز کو چھوڑا جاسکے۔ قرآن مجید میں اسی محبت کا معیار یہ بتایا گیا ہے۔ "نبی کریم (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ

وَسَلَّمَ) مومنوں کے لیے ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں" (الاحزاب:٦) اور حدیث شریف میں "حُبِ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ" کو علامت ایمان قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا" تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ اپنے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ مجھ سے محبت نہ کرے" (صحیح بخاری، کتاب الایمان، حدیث:١٥)۔

اطاعت واتباع رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ: اطاعت کا لفظ "طوع" سے بنا ہے جس کے معنی دلی آمادگی، فرمانبرداری کرنا یا حکم بجا آوری ہے۔ اطاعت میں مکمل خود سپردگی درکار ہوتی ہے یہ نہیں ہوگا کہ کچھ حکم مانیں اور کچھ نہیں مانیں گویا دلی آمادگی کے ساتھ فرمان برداری اور قبول کر لینے کے رویے کا نام اطاعت ہے۔

اتباع: دل کی حقیقی محبت اور طبیعت کی پوری آمادگی اور ایک گہرے قلبی لگاؤ کے ساتھ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی ہر قدم اور ہر ادا کی پیروی لازمی کرنا "اتباع" کہلاتا ہے۔ یعنی جب اطاعت کلی اور محبت قلبی جمع ہوں گے تو اتباع کہلائے گا۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی اطاعت یہ ہے کہ زندگی کے تمام معاملات میں آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے جو احکام بتائے ہیں یا ہدایات دی ہیں یا عمل فرمایا ہے اس کی اطاعت کی جائے اور ان پر عمل کیا جائے۔

سیدنا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی اطاعت کا حکم دینے کی اصل وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی اپنی اطاعت چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا واحد ذریعہ رسول ہی ہوتا ہے کیوں کہ اللہ تعالی براہ راست اپنے بندوں سے کلام نہیں کرتا بلکہ اپنے رسول کے واسطے سے ہی کلام کرتا ہے۔ رسول ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ہدایات اور اس کے احکام سے آگاہ کرتا ہے۔ اس لیے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے، اس لیے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا چاہتا ہے اسے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی اطاعت کرنی پڑے گی، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "جس نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی" (سورۃ النساء، آیت:٨٠)

رسالت محمدی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی خصوصیات: حضرت آدم علیہ السلام سے نبوت کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ پر آکر تکمیل کو پہنچا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کو جو کمالات علیحدہ علیحدہ عطا فرمائے تھے وہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی شریعت میں تمام شامل کر دیے گئے۔ اور ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی

شریعت خصوصی فضیلت کی حامل ہے ان تمام رسولوں کی شریعتوں کے جملہ فضائل کو اپنے اندر سمیٹے ہوئی ہے۔ جن میں سے چند خصوصیات یہ ہیں: • عمومیت و عالمگیریت • پہلی شریعتوں کا نسخ • کاملیت • حفاظت کتاب • سنت نبوی کی حفاظت • جامعیت • ختم نبوت۔

ختم نبوت: "ختم" کے لغوی معنی ہیں مُہر لگانا کسی چیز کی انتہا اور کسی کام کو پورا کر کے فارغ ہو جانا۔ ختم نبوت کا مطلب ہے کہ نبوت کا سلسلہ جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور یکے بعد دیگرے کئی انبیاء کرام علیہم السلام آئے یہ سلسلہ حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ پر ختم ہو گیا۔ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں، اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے بعد کسی بھی طرح جو نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ کافر ہے اور اسلام کے دائرے سے خارج ہے۔ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ پر نازل ہونے والی کتاب یعنی قرآن مجید پوری انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ کی آخری ابدی الہامی کتاب ہے، اس کے بعد کوئی دوسری کتاب نازل نہیں ہوگی۔ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی تشریف آوری سے ہدایت کا سلسلہ اپنے اختتام کو پہنچا، دین مکمل ہو گیا اب ختم نبوت ہو گئی۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (المائدہ:۳)۔ ترجمہ: آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمھارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔

ختم نبوت کی ضرورت: جب دین مکمل ہوا اور دین اسلام پر رضائے الٰہی کا واضح اظہار ہوا، یہ حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے آخری نبی اور رسول ہونے کا اعلان ہے کہ اب کسی اور نبی کی ضرورت نہیں رہی۔ حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے آخری نبی ہونے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں ارشاد فرمایا: مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ (سورۃ الاحزاب:۴۰) ترجمہ: محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ تمھارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں لیکن اللہ کے پیغمبر اور نبیوں کی مہر یعنی سلسلہ نبوت کو ختم کر دینے والے ہیں۔ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا ترجمہ: میری امت میں تیس (۳۰) ایسے جھوٹے ہوں گے جن میں سے ہر ایک اپنے نبی ہونے کا دعوی کرے گا حالانکہ میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں" (ابو داؤد، حدیث: ۴۲۵۲)۔ ذکر کردہ حدیث سے واضح ہے کہ حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ آخری نبی ہیں اور یہ امت آخری امت ہے، اب کوئی بھی نبی نہیں آئے گا، اگر کوئی ایسا دعوی کرے تو وہ جھوٹا ہوگا۔

چنانچہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے آخری نبی ہونے پر تمام امت کا اجماع و اتفاق ہے۔

حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ پر سلسلۂ نبوت کو ختم کرنے کی وجہ: حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ پر سلسلۂ نبوت کو ختم کرنے کی کچھ وجوہات یہ ہیں:

- حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ پر ایک ایسی جامع اور ہمیشہ رہنے والی کتاب نازل کی گئی جس کے الفاظ اور احکام ابھی تک محفوظ ہیں اور قیامت تک محفوظ رہیں گے۔ آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو دین کامل اور مکمل شریعت دی گئی، جس میں ایسی جامع اور اصولی تعلیم دی گئی ہے کہ اس کو سامنے رکھ کر قیامت تک پیش آنے والے مسائل کا حل نکالا جاسکتا ہے۔
- حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے پہلے تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قوموں، علاقوں اور قبیلوں کی طرف نبی ہو کر آئے۔ ان کی نبوت وقتی تھی اور اپنی قوموں کے لیے خاص تھی، جبکہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی نبوت پوری انسانیت اور بین الاقوامیت کے لیے عام ہے اور قیامت تک آنے والے سب انسانوں کے لیے ہے۔

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے تمام تعلیمات کی صداقت پر یقین رکھیں۔ آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی اطاعت و اتباع کریں، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے بے پناہ محبت کرتے ہوئے اپنی تمام خواہشات کو حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے احکام کے تابع کریں، حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا بے حد ادب و احترام کریں، آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی عظمت و جلال کی وجہ سے ہمیشہ تواضع و انکساری سے رہیں۔ آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی نافرمانی اور خلاف ورزی سے اجتناب کریں، حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی امت (تمام مسلمانوں) کے خیر و خواہ رہیں۔ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے پیغام کو اپنے قول اور عمل سے آگے پھیلائیں۔

سرگرمی برائے طلبہ وطالبات	ختم نبوت کے بارے میں آیت اور حدیث یاد کر کے چارٹ پر لکھ کر کلاس میں آویزاں کریں۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

۱۔ رسالت اور نبوت کے لغوی اور اصطلاحی معنی و مفہوم تحریر کریں۔

۲۔ عقیدہ رسالت پر تفصیلی مضمون لکھیں۔

۳۔ اطاعت واتباع رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔

۴۔ عقیدہ ختم نبوت کی تشریح کریں۔

۵۔ دین اسلام میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی محبت کی کیا اہمیت ہے؟ تحریر کریں۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

۱۔ نبی یا رسول کسے کہتے ہیں؟

۲۔ آخری رسالت محمدی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی خصوصیات تحریر کریں۔

۳۔ ختم نبوت کے متعلق قرآن مجید و حدیث ہماری کیا رہنمائی کرتی ہے؟

۴۔ ایمان کامل کی پہچان کیا ہے؟ تحریر کریں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے "✓" کا نشان لگائیں:

۱۔ نبوت و رسالت ایک ایسا منصب ہے جو:

(الف) کوئی بھی انسان محنت کر کے حاصل کر سکتا ہے۔ (ب) عبادت گزار لوگوں کو ملتا ہے۔

(ج) خدمت خلق کرنے والوں کو ملتا ہے۔ (د) اللہ تعالیٰ اپنے خاص منتخب بندوں کو عطا کرتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کی ہدایت و رہبری کے لیے بھیجا ہے:

(الف) کتاب (ب) نبی

(ج) فرشتہ (د) جن

۳۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے پہلے نبی ہیں:

(الف) حضرت آدم علیہ السلام (ب) حضرت موسیٰ علیہ السلام

(ج) حضرت عیسیٰ علیہ السلام (د) حضرت ابراہیم علیہ السلام

ہدایات برائے اساتذہ کرام

اساتذہ عقیدہ ختم نبوت کو طلبہ کے دل و دماغ میں راسخ کرنے کے لیے دور حاضر کے تقاضاؤں کے مطابق مزید واضح کریں

(ب) عبادات

ا۔ عبادت کی اہمیت و افادیت

حاصلاتِ تعلم

- عبادت کا معنی و مفہوم بیان کر سکیں۔
- عبادت کی اہمیت و افادیت بیان کر سکیں۔
- عملی زندگی میں عبادت کے اثرات بیان کر سکیں۔

عبادت کے معنی و مفہوم: عبادت عربی زبان کا لفظ ہے جو "عبد" سے مشتق ہے، عبادت کے لفظی معنی بندگی، عاجزی و انکساری اور اطاعت و فرمانبرداری کے ہیں۔ اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے اسوہ حسنہ کے مطابق زندگی گزارنے کا نام "عبادت" ہے۔ یہ عبادت ہر اس عمل کو محیط ہے جس کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اور جس کے کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چوں کہ بندہ کا کام مالک کی اطاعت کرنا ہے خاص طور پر اگر وہ مالک احکم الحاکمین ہے تو اس کے احکام کو اپنے لیے باعث خوشی اور باعث مسرت و اطمینان سمجھنا ہی ایک بندہ کی معراج ہے۔

عبادت کی اہمیت و افادیت: اسلام میں ایمان یا عقیدہ کی درستی کے بعد سب سے پہلے عبادات پر زور دیا گیا ہے۔ اور عبادات اللہ تعالیٰ کے ساتھ براہ راست رابطہ اور تعلق، قرب الٰہی کی عملی صورت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔" (الذاریات:۵۶)۔ دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم (اس کے عذاب سے) بچو۔" (البقرہ:۲۱)۔ اس آیت سے عبادت کا مقصد "تقویٰ" ہے جو کہ دل کی پاکیزگی، روح کی صفائی اور عمل کے اخلاص کے بعد کی منزل ہے، یہ انسان کی وہ قلبی کیفیت ہے جس سے نیک اعمال کا شوق اور برائیوں سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ (سورۃ الانعام:۱۶۲) ترجمہ: یہ بھی کہہ دو کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔ ہر روز ہر نماز میں مسلمان بار بار صراط مستقیم (سیدھا راستہ) کے لیے دعا کرتا ہے۔ مذکورہ آیت میں صراط مستقیم کا مختصر جامع خاکہ پیش کر دیا گیا ہے جو کہ اسلامی زندگی کی روح ہے۔ اسلامی معاشرہ کی جان ہے۔ آیت میں بتایا گیا کہ مسلمان کا ہر سانس ہر قدم اور ہر کام اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے کسی غیر اللہ یا اپنی خواہش نفس کے لیے نہیں۔ اور یہی مسلمان کی زندگی کا مقصد و منشا ہے۔

عبادت کے تقاضے: ہمیں اللہ تعالیٰ کے تمام احکام ماننے چاہییں۔ ان پر عمل کرنا چاہیے، جس کو اس نے حرام ٹھہرایا ہے اسے ترک کرنا چاہیے اور جن چیزوں کو فرض قرار دیا ہے ان کو ادا کرکے اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت کی جائے۔ زندگی کے ہر شعبے کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے دائرے میں لانا، یعنی کلی اطاعت کی جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ترجمہ: مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ (البقرہ:۲۰۸)

انسان کی عملی زندگی پر عبادت کے اثرات: اسلام کا نظامِ عبادت انسان میں دوسرے انسانوں کے لیے محبت و ہمدردی کے جذبات پیدا کرتا ہے، اس لیے ایک مسلم دوسرے لوگوں کے ساتھ محبت والفت رکھتا ہے اور ان کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے اور انھیں دکھ سکھ میں کام آتا ہے۔ اسی طرح یہ عبادات صبر و تحمل کا سبق بھی دیتی ہیں۔ اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اجتماعی مفاد کے لیے اپنے ذاتی مفاد کو قربان کرنے کا جذبہ بھی بیدار کرتی ہیں۔

- عبادات انسان کو سماج کے ساتھ مل جل کر رہنے کا سبق دیتی ہیں، اس لیے انسان دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جل کر رہنا سیکھ جاتا ہے اور معاشرہ پسند بن جاتا ہے۔
- عبادت کی پابندی سستی، کاہلی اور وقت کے ضایع کرنے جیسی بری خصلتوں کو ختم کر دیتی ہے۔
- نماز کی پابندی سے انسان کے اندر اوقات کی پابندی، ظاہری و باطنی طہارت و پاکیزگی، قائد کی اطاعت اور اجتماعیت کی صفات پیدا ہوتی ہیں۔ اور وہ برائیوں اور بے حیائی سے رک جاتا ہے۔
- روزہ انسان میں تقویٰ پیدا کرتا ہے یعنی خوفِ خدا آدمی کو نیکی اور برائی کی تمیز کراتا ہے۔
- زکوٰۃ کے ذریعے انسان کے اندر سے مال کی محبت کم ہوتی ہے اور وہ اپنے جیسے دیگر انسانوں کی مالی مدد کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہے۔
- حج عالمی طور پر اجتماعیت کا درس دیتا ہے۔
- لوگوں کے کام آنا، صلہ رحمی کرنا اور اپنے ماتحتوں کی کفالت کرنے والے اعمال سے آپس میں میل جول اور تعلقات بہتر ہوتے ہیں۔ عبادت کے یہ تمام ثمرات مؤمن کو اس کی نیت اور اخلاص کی بنیاد پر حاصل ہوں گے۔ چنانچہ عبادت میں نیت کی درستگی اور اخلاص اس کے قبولیت کی کلید ہے پھر ہر نیکی مومن کے لیے عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔ اور اس پر قائم رہنے کے لیے بھی تاکید کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ترجمہ: تو اسی کی عبادت کرو اور اس کی عبادت پر ثابت قدم رہو۔ (مریم:۶۵)
- یہی وہ عبادات ہیں جو انسان کی اصلاح کے ساتھ ساتھ معاشرے میں بھلائیوں اور نیکیوں کی ترویج کا ذریعہ بنتی ہیں اور مومن کے لیے دنیوی و آخروی سعادتوں کا سبب بنتی ہیں۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

۱۔ "عبادت" پر تفصیلی مضمون تحریر کریں۔

۲۔ عبادت کے عام زندگی پر اثرات تحریر کریں۔

۳۔ عبادت کی اہمیت وافادیت تحریر کریں۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

۱۔ عبادت کے لغوی اور شرعی معنی کیا ہیں؟

۲۔ عبادت کے چند تقاضے تحریر کریں۔

۳۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا ترجمہ تحریر کریں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے "✓" کا نشان لگائیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کو پیدا کیا ہے:

(الف) عبادت کے لیے　　(ب) زراعت کے لیے

(ج) تجارت کے لیے　　(د) صنعت وحرفت کے لیے

۲۔ حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے اسوہ حسنہ کے مطابق زندگی گزارنے کا نام ہے:

(الف) معیشت　　(ب) معاشرت

(ج) عبادت　　(د) تجارت

۳۔ انسان کو پیدا کرنے کا مقصد ہے:

(الف) زمین کو آباد کرنا　　(ب) اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا

(ج) تجارت کرنا　　(د) کھیتی باڑی کرنا

۲۔ جہاد

تعارف، اہمیت اور اقسام

حاصلاتِ تعلم

- جہاد کا تعارف بیان کر سکیں۔
- جہاد کی فضیلت و اہمیت واضح کر سکیں۔
- جہاد کے اقسام بیان کر سکیں۔

جہاد کا معنی و مفہوم: جہاد عربی زبان کا لفظ ہے جو "جہد" سے مأخوذ ہے۔اس کی لُغوی معنی ہے: محنت وجدوجہد، انتہائی کوشش و جستجو کرنا۔

شرعی اصطلاح: اللہ عزوجل کی رضا کے خاطر ہر وہ جدوجہد و کوشش کرنا جو اللہ کے دین کی سربلندی، حفاظت، ملک وملت کے تحفظ و دفاع کے لیے ہو۔ نیز ہر وہ کوشش و جدوجہد جو معاشرے کی اصلاح کے خاطر نیکی و بھلائی کی ترویج کے لیے ہو، اور برائیوں وخرابیوں کو ختم کرنے کے لیے ہو۔

جہاد کی فضیلت و اہمیت: اسلام نے جہاد کو بہت زیادہ اہمیت و فضیلت دی ہے۔ کیوں کہ دنیا میں، بگاڑ، ظلم اور ہر قسم کی بد عملیاں، جو معاشرے کے اندر فتنہ وفساد کا سبب بنتی ہیں، ان سب کو ختم کرکے، دنیا میں امن وسلامتی کی فضا قائم کرنا اور انسانی حقوق کا تحفظ صرف اور صرف جہاد کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (التوبہ: ۴۱) اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو اپنے مال سے اور اپنی جانوں سے، یہ بہتر ہے تمھارے حق میں اگر تم علم رکھتے ہو۔

جہاد کی تاکید کے حوالے سے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے: جو شخص اس حال میں قوت ہو کہ اس نے اپنی زندگی میں عملی طور پر نہ جہاد کیا اور نہ ہی جہاد کی خواہش کی تو اس نے نفاق کے ایک درجے پر وفات پائی۔ (صحیح مسلم: ۱۹۱۰)۔

جہاد کی اقسام اور اس کی عملی صورتیں:

۱۔ نفسانی خواہشات کے خلاف جہاد: انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت سے جو اندرونی قوت روکتی ہے وہ اس کا نفس امارہ ہے جو انسان کو گناہوں، برائیوں اور نافرمانیوں کے لیے ابھارتا ہے جن میں خودپسندی، بغض، غیبت، جھوٹ اور بدکلامی اور دیگر نفسانی خواہشات کا مسلط ہونا جو انسان کے اعمال و کردار کو بگاڑ کر رکھتے ہیں۔

اس نفس امارہ پر قابو پانا جہاد کے زمرے میں آتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ترجمہ: اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا اور اپنے نفس کی خواہشات سے خود کو روکے رکھا تو اس کے لیے ہمیشہ رہنے والی جگہ جنت ہے۔ (سورۃ النازعات: ۴۰)۔

نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے اس شخص کو جو اپنے نفس پر قابو پاتا ہے اسے مجاہد قرار دیا ہے۔ فرمایا: "المجاھد من جاھد نفسہ"۔ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے۔ (سنن ترمذی: ۱۶۲۱) بعض روایات میں نفس کے ساتھ جہاد کرنے کو جہاد اکبر کہا گیا ہے۔

۲۔ منکرات کو ختم کرنے کے لیے جہاد: کسی بھی معاشرے میں جب انفرادی برائیاں عام ہو جاتی ہیں تو آگے بڑھ کر اجتماعی شر کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ ان تمام برائیوں کو اسلام نے منکرات کا نام دیا ہے۔

چوں کہ اسلامی معاشرہ باہمی خیر و فلاح کے اصولوں پر قائم ہے۔ لہٰذا ہر وہ عمل جو معاشرے میں بگاڑ پیدا کرے اسلام نہ صرف اسے رد کرتا ہے بلکہ مومنوں کو اسے مٹانے کا حکم دیتا ہے۔ اسلام نے اس امر پر بھی تاکید کی ہے کہ معاشرتی نظم ہر صورت میں پُر امن اور منظم رہے۔ جو باہمی رواداری کے رویوں کی ترویج کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اور ان اعمال کی نشاندہی بھی کی ہے جو منکرات کے ضمن میں آتے ہیں۔ ان معاشرتی منکرات میں ظلم و زیادتی، چوری، لوٹ مار، لسانی و قومی امتیازات کی بنیاد پر رویے، جھوٹی گواہی، زیادتی و رشوت ستانی، ملاوٹ و ناپ تول میں کھوٹ، فاسد رسومات، حقدار کی حق تلفی و دیگر منکرات وغیرہ شامل ہیں۔

اسلام میں معاشرے کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ منکرات سے خود بھی بچے اور دوسروں کو بھی بچانے کی کوشش کرے۔ یہ کوشش انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی ہے۔

منکرات کو ختم کرنے اور اصلاح معاشرہ کے لیے قرآن مجید نے مختلف اسالیب ذکر کیے ہیں۔ کہیں امر بالمعروف و نہی عن المنکر، کہیں دعوت و ابلاغ اور کہیں تواصی بالحق والصبر کا نام دیا گیا ہے۔ امت کے ہر فرد کو اپنی بساط کے مطابق یہ فریضہ انجام دینا ہے۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا ارشاد مبارک ہے: "مَنۡ رَّاٰی مِنۡکُمۡ مُّنۡکَرًا فَلۡیُغَیِّرۡہُ بِیَدِہٖ وَاِنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ فَبِلِسَانِہٖ وَاِنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ فَبِقَلۡبِہٖ۔ " (صحیح مسلم: ۴۹) تم میں سے کوئی شخص منکر کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ اس کو اپنے ہاتھ سے دور کرے اگر ہاتھ سے دور نہیں کر سکتا ہے تو زبان سے اگر زبان سے نہیں کر سکتا ہے تو اپنے دل ہی میں اس کو برا سمجھے۔

علماء نے اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے کہ منکرات کو قوت و طاقت سے مٹانا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ زبان و قلم سے علماء و اہل قلم کی ذمہ داری ہے اور امت کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ برائی کو برا سمجھے اور اس سے اجتناب کرے۔

اسی طرح اسلام نے اس بات کی بھی تاکید کی ہے کہ مومن خود بھی حق پر قائم رہے، حق بات کہے اور دوسروں کو بھی حق پر قائم رہنے پر آمادہ کرے۔ اور حق کی سربلندی کے لیے کوشاں رہے۔ اسی عمل کو افضل الجہاد کہا گیا ہے۔

رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے: افضل الجهاد كلمة عدلٍ عند سلطان جائرٍ۔ (سنن ابی داؤد: ۴۳۴۴) ظالم حکمران کے سامنے حق کہنا افضل جہاد ہے۔

جہاد بالسیف / مسلح جہاد (قتال):

جہاد بالسیف یعنی تلوار سے جہاد: اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی دشمن کسی اسلامی ملک پر حملہ کر دے تو اس ملک پر اپنی سرحدوں اور شہریوں کے دین، ایمان، جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے قتال فرض ہو جاتا ہے۔

مسلح جہاد کی فرضیت: حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے جب ریاست مدینہ کی بنیاد ڈالی تو کفار مکہ و دیگر دشمنانِ اسلام کا غیض و غضب بہت زیادہ بڑھ گیا اور اس نئی ریاست کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے مزید سرگرم ہو گئے اور طرح طرح کے منصوبے بنانے لگے جن کے نتیجے میں اسلامی ریاست کے وجود، اور مسلمانوں کے جان، مال و عزت کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے دفاع کے لیے مسلمانوں کو ان کفار سے جہاد مسلح کرنے کی اجازت دی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ترجمہ: جن مسلمانوں سے خوامخواہ لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت ہے کہ وہ بھی لڑیں کیوں کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا وہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ (الحج: ۳۹)۔ سورۃ الحج کی یہ آیت قتال کی فرضیت کے حوالے سے پہلی اور ابتدائی آیت ہے۔ اس وقت چوں کہ اسلامی ریاست کا فوجی نظام نہیں تھا اس لیے تمام عاقل و بالغ مرد مومنوں پر قتال یعنی جہاد فرضِ "عین" تھا۔

جہاد بالسیف کی فرضیت کے اسباب:

الف: کفار کی دشمنی اور ان کے پُر خطر عزائم: مکہ مکرمہ میں جو شخص بھی اسلام قبول کرتا تھا تو دشمنان اسلام کی طرف سے ان پر ظلم و ستم کیا جاتا اور اذیتیں دی جاتی تھیں، جن کا بنیادی سبب "کلمۃ الحق" یعنی لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ تھا۔ اس کلمۃ الحق کو کفار اپنے عقیدہ کے برخلاف سمجھتے تھے، کسی بھی صورت میں اس کلمۃ الحق کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے، چنانچہ مسلمانوں کے لیے مکہ کی زمین تنگ کر دی اور مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا۔

اللہ جل شانہ فرماتے ہیں: یہ وہ لوگ ہیں کہ اپنے گھروں سے ناحق نکال دے گئے ہاں یہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ (الحج: ۴۰)

کفار مکہ کی مسلمانوں سے شدت کی مخالفت و دشمنی کا اندازہ اس آیت سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔: ترجمہ: اور یہ لوگ (کفار) ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر مقدور رکھیں تو تم کو تمھارے دین سے پھیر دیں۔ (البقرہ:۲۱۷)

ب: اسلامی ریاست کے وجود کو خطرہ: کفار جس کلمۃ الحق کو مکہ میں برداشت نہیں کر پارہے تھے، اسی کلمۃ الحق پر مدینہ میں ایک ریاست کی بنیاد ڈالی گئی تو کفار کا یہ اندیشہ بڑھ گیا کہ اسلام کی طاقت ان کے لیے ایک مستقل خطرہ بن جائے گی۔ تو ان کی نیندیں اڑ گئیں۔ اور مخالفانہ کوششیں تیز سے تیز کر دیں، اور اس اسلامی ریاست کو ختم کرنے کے لیے جنگ کے منصوبے بنانے لگے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دفاع کے لیے یہ احکام جاری فرمائے۔ ترجمہ: اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں، تم بھی اللہ کی راہ میں ان سے لڑو مگر زیادتی نہ کرنا کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (البقرہ:۱۹۰)

زیادتی نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ قوت کا استعمال وہاں کرو جہاں ناگزیر ہو اور اس حد تک کرو جتنی اس کی ضرورت ہو۔

مقاصد مسلح جہاد: قرآن کریم نے اسلامی سلطنت کے دفاع و تحفظ کے علاوہ اسلحہ کے ساتھ جہاد کرنے کے کچھ اور مقاصد بھی بتائے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

الف: عہد شکنی کی سزا: اسلام نے معاہدوں کی پابندی کے لیے بہت زیادہ تاکید کی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ”اور جب اللہ سے عہد (واثق) کرو تو اس کو پورا کرو اور جب پکی قسمیں کھاؤ تو ان کو مت توڑو کہ تم اللہ کو اپنا ضامن مقرر کر چکے ہو، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو جانتا ہے۔ (النحل:۹۱)۔

اسلام نے اس قوم کے ساتھ لڑائی کرنے کا حکم دیا ہے جو اسلامی حکومت کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرے پھر اس معاہدے کو پس پشت رکھتے ہوئے جنگی عزائم رکھے۔ قرآن کریم نے رسول اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے: ”جن لوگوں نے تم سے (صلح) کا عہد کیا ہے پھر وہ بار بار اپنے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں اور (اللہ سے) نہیں ڈرتے۔ اگر تم ان کو لڑائی میں پاؤ تو انھیں ایسی سزا دو کہ جو لوگ ان کے پس پشت ہوں ان کو (اس سے) عبرت ہو۔ اور اگر تم کو کسی قوم سے دغابازی کا خوف ہو تو (ان کا عہد) ان ہی کی طرف پھینک دو (اور) برابر (کا جواب دو) کچھ شک نہیں کہ اللہ دغابازوں کو پسند نہیں کرتا۔ (الانفال:۵۶تا۵۸)۔

اگرچہ ان آیات کا شان نزول خاص موقع کے لیے ہے مگر اس کا حکم عام ہے۔ یعنی اسلام میں بد عہد قوم کے ساتھ کسی قسم کی بھی رعایت نہیں ہے اور جو قوم معاہدہ کرنے کے بعد اس کو توڑ کر لڑائی کے لیے کوشاں رہتی ہے تو اسلام نے اسلامی حکومت کو اس سے لڑنے اور مقابلہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

ب: احترام انسانیت اور مظلوموں کی دستگیری: اسلام حرمت انسانی کا عظیم تر پیغام رکھتا ہے۔ اس پیغام میں انسانیت کے لیے جو اصول رکھے ہیں ان میں مظلوموں کی حمایت اور مدد کرنا، ان کو ظالم کے ظلم سے چھٹکارہ دلانا، اسلامی حکومت کے لیے لازم قرار دیا گیا ہے۔

سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ترجمہ: اور تم کو کیا ہوا ہے کہ اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعائیں کیا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو نکال کر کہیں اور لے جا اور اپنی طرف سے ان کو ہمارا مددگار مقرر فرما (النساء:۷۵)۔

اگرچہ اس آیت کا اشارہ ان مظلوم مردوں، عورتوں اور بچوں کی طرف ہے جو مکہ میں رہ گئے تھے۔ اور ہجرت نہ کر سکے تھے ان کو کفار کی طرف سے تکلیفیں اور اذیتیں دی جارہی تھیں۔ حتیٰ کہ ان کا جینا حرام کر دیا تھا۔ مگر اس آیت میں اسلامی جنگ کا بلند مقصد بیان کیا گیا ہے کہ دنیا کے کسی بھی خطے میں انسانوں کے حقوق پامال کئے جارہے ہوں اور ان کے لیے وہاں کی زمین تنگ کر دی جائے۔ خواہ ان کا کسی بھی مذہب یا قوم سے تعلق ہو تو اسلامی حکومت کا فرض بنتا ہے کہ حسب موقعہ وامکان ان مظلوموں کی مدد کر کے ان کو ظلم سے نجات دلائے۔

ج: فتنہ و فساد کا خاتمہ: اسلامی تعلیمات کے بنیادی مقاصد میں، قیام امن، محبت و رواداری کا فروغ، ظلم اور فتنہ وفساد کو ختم کرنا ہے۔

دنیا میں جہاں کہیں بھی ملک گیری، یا کسی بھی گروہ کا اپنے مذموم مقاصد کے لیے کمزوروں پر چڑھائی کر کے ظلم و زیادتی، فتنہ وفساد برپا کر کے خلق خدا کے امن و سکون کو خطرے میں ڈالے، تو اس قسم کی فتنہ سازی اور ظلم و جبر سے باز رکھنے کے لیے قرآن مجید نے اسلامی ریاست کو جنگ کرنے کی تاکید کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ترجمہ: اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہنا کہ فساد نابود ہو جائے اور (ملک میں) اللہ ہی کا دین ہو جائے اور اگر وہ (فساد سے) باز آجائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں (کرنی چاہیے)۔

اس آیت میں اسلامی جنگوں کا مقصد، زمین پر فتنہ وفساد کا قلع قمع کرنا ہے اور دنیا میں امن و آشتی کی فضا قائم کرنا ہے۔

مسلح جہاد کے شرائط: اسلام نے مسلح جہاد کے لیے کچھ شرائط رکھی ہیں ان شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے جہاد کرنا چاہیے۔

الف: اعلاء کلمۃ اللہ۔ (اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے): مسلح جہاد کی پہلی شرط یہ ہے کہ وہ صرف اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے ہو۔

ب: اسلامی ریاست کی طرف سے اعلان: مسلح جہاد کی دوسری شرط یہ ہے کہ قتال کا اعلان ریاست کی طرف سے ہو۔ اسلام میں قتال کے اعلان کی مجاز صرف اور صرف ریاست ہے کسی فرد یا جماعت کے اعلان یا فتویٰ (جنگ کے لیے) کی شرعی حیثیت نہیں ہے بلکہ اس قسم کے فتوے یا اعلان فساد فی الارض کے زمرے میں آتے ہیں۔

ج: مناسب حد تک فوجی طاقت میسر ہو: مخالف قوت سے لڑنے کے لیے حکومت کے پاس موافق طاقت و قوت میسر ہو۔ قرآن مجید نے اسلامی ریاست کو مضبوط رکھنے کے لیے تاکید کی ہے۔ فرمایا: ترجمہ: اور جہاں تک ہو سکے (قوت کے) زور سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے (مقابلے کے) لیے مستعد رہو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں اور تمھارے دشمنوں اور ان کے سوا اور لوگوں پر جن کو تم نہیں جانتے اور اللہ جانتا ہے۔ ہیبت بیٹھی رہے گی اور تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا ثواب تم کو پورا پورا دیا جائے گا۔ اور تمھارا ذرا نقصان نہ کیا جائے گا۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! تمھارے پاس سامان جنگ اور ایک مستقل فوج ہر وقت تیار رہنی چاہیے تاکہ بوقت ضرورت فوراً کاروائی کر سکو اور دشمن کا بھرپور مقابلہ کر سکو۔

د: لڑائی میں جاہلیت والے طریقے استعمال نہ کئے جائیں: لڑائی کے وقت صرف ان سے لڑا جائے جو مقابلے میں ہتھیاروں سے لیس ہوتے ہیں اور جنگ کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں، زخمیوں اور عام شہریوں پر دست درازی نہ کی جائے، دشمنوں کے مقتولوں کا مثلہ نہ کیا جائے، کھیتوں، مکانوں اور مویشیوں کو خواہ مخواہ برباد نہ کیا جائے۔

جہاد اور قتال میں فرق: جہاد کے معنی ہیں کسی مقصد کے حصول کے لیے اپنی انتہائی کوشش صرف کرنا، جہاد محض جنگ کا ہم معنی نہیں ہے۔ جنگ کے لیے قتال کا لفظ استعمال ہوتا ہے جب کہ جہاد اس سے وسیع تر مفہوم رکھتا ہے اس میں ہر قسم کی جدوجہد شامل ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ یہ ہے کہ سب کچھ صرف اللہ کی رضا کے لیے اس غرض سے کیا جائے کہ اللہ کا دین اس کی زمین پر قائم ہو۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

۱۔ جہاد کی فضیلت و اہمیت بیان کریں۔

۲۔ جہاد کی قسمیں بیان کریں۔

۳۔ جہاد کی شرائط تحریر کریں۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

۱۔ جہاد کا معنی و مفہوم کیا ہے؟

۲۔ جہاد کے مقاصد بیان کریں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے "✓" کا نشان لگائیں:

۱۔ جہاد کی اقسام ہیں:

(الف) ۳ (ب) ۴

(ج) ۵ (د) ۶

۲۔ جہاد بالسیف کا مطلب ہے جہاد کرنا:

(الف) دل سے (ب) زبان سے

(ج) اسلحہ سے (د) قلم سے

۳۔ بعض روایات میں نفس کے ساتھ جہاد کرنے کو کہا گیا ہے:

(الف) جہاد اصغر (ب) جہاد اکبر

(ج) جہاد اوسط (د) جہاد اعظم

(ج) سیرت طیبہ

۱۔ بعثتِ نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ

حاصلاتِ تعلم

- بعثت نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ سے قبل حالات عرب بیان کر سکیں۔
- بعثت نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کا مفہوم بیان کر سکیں۔
- بعثت نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے آثار اور مقاصد بیان کر سکیں۔

بعثت نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ سے قبل حالات عرب:

مکہ مکرمہ: مکہ مکرمہ عربستان کا بڑا شہر اور قریش کا روحانی و سماجی مرکز بن چکا تھا، تجارتی سرگرمیوں، تمدن، معیشت اور ترقی کے باعث یمن کے مشہور شہر صنعاء کے ہم پلہ ہو چکا تھا۔ قریش کے تجارتی قافلے سال میں دو مرتبہ شام اور یمن کا سفر کرتے تھے، جس کی بدولت اہل مکہ زندگی کی ہر سہولت سے مالا مال تھے۔ پانچویں صدی عیسوی کے دوران مکہ کے سردار قُصیؒ بن کِلاب (جو حضور کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی پانچویں پشت میں دادا ہیں) نے مکہ کا جو انتظامی ڈھانچہ بنایا تھا وہ اس وقت تک برقرار تھا، جس کی بنیاد اتحاد، تعاونِ اجتماعی، عمومی مفاہمت اور انتظامی امور کی باہمی تقسیم پر تھی، چنانچہ جنگی معاملات، تجارت اور دیگر سماجی معاملات کے حل کے لیے "دارالندوہ" نامی مجلس مشاورت قائم تھی۔

مکہ شہر کے بہتر انتظام، معاشی اور تجارتی سرگرمیوں اور متمدن سماجی نظام کے باعث اس کے بہت سے خاندان بڑے مالدار اور سرمایہ دار ہو چکے تھے، ان میں سے بعض ایسے لوگ بھی تھے جو صدقہ خیرات کرتے، محتاجوں اور مساکین کی امداد کرتے۔ لیکن بعض ایسے بھی تھے جن کا سودی اور ناجائز ذرائع کا کاروبار تھا، وہ عیاش، ضدی اور کمزور طبقہ کے لیے سخت گیر تھے، انھیں مال و اولاد پر غرور تھا، وہ دوسروں کو حقیر سمجھتے تھے، سماجی برائیوں مثلاً: شراب نوشی، ظلم، بدکاری، فحاشی، ناجائز ذریعہ آمدن (ڈاکہ، چوری، جوا) کو برا نہ سمجھتے تھے۔ پڑوسیوں کو تکلیف دینا، صلہ رحمی کا پاس نہ رکھنا، ناحق خون بہانا ان کا مشغلہ تھا، چنانچہ ان غیر انسانی رویوں کی وجہ سے وہ سخت دل، خشک مزاج اور بے رحم طبع ہو چکے تھے۔ حجاز کے باقی حصوں میں بھی بدانتظامی اور آوارگی کی وجہ سے لوگ سرکش ہو چکے تھے اپنے ہی لوگوں سے لڑنا جھگڑنا اور مارنا ان کے یہاں جرأت اور فخر سمجھا جاتا تھا۔ اپنی ہی بچیوں کو زندہ درگور کرنے پر فخر کرتے تھے۔

جہالت عام ہونے کی وجہ سے بت پرستی ان کا مذہبی شعار بن چکی تھی۔ صرف خانہ کعبہ کے اندر ہی تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ بعثت کے وقت جب حضور کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ تشریف لائے تو دنیا کا حال یہ تھا

کہ ظهرالفساد فی البر والبحر (الروم:۴۱) خشکی اور تری میں فساد برپا تھا(دنیائے مذاہب اور عالم تہذیب و تمدن میں عقائد و اعمال میں خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں)۔

بعثت نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا مفہوم: حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی عمر مبارک چالیس سال کو پہنچ گئی تھی اور آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ رمضان کے مہینے میں حسب معمول غار حرا کی تنہائیوں میں مشغول عبادت تھے کہ ایک دن جبریل علیہ السلام اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم سے آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے پاس آیا اور نور نبوت کی جو شمع آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے سینے مبارک میں مخفی تھی اسے وحی الٰہی کے ان الفاظ کے ساتھ روشن کر کے آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو نبوت و رسالت سے سرفراز کیا۔ اور قرآن مجید کی یہ آیات پڑھیں: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ ﴿۲﴾ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ ﴿۳﴾ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ ﴿۵﴾ (العلق:۱-۵)۔ ترجمہ: اے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے تمام کائنات کو پیدا کیا۔(۱) جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔(۲) پڑھو اور تمھارا پروردگار بڑا اکریم ہے۔ (۳) جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ (۴) اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا۔(۵) یہ آیات قرآنی پہلی وحی کی حیثیت سے محمد بن عبداللہ کو محمد رسول اللہ بن عبداللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو نبوت کے شرف سے مشرف کر گئی۔ جن کی نبوت آخری نبوت اور جن کی شریعت آخری شریعت ہے۔ یہاں سے نبوت کا آغاز اور وحی کا نزول شروع ہوا۔

بعثت نبوی کے آثار: اعلانِ نبوت کے بعد اگر کوئی خارقِ عادت واقعہ کسی پیغمبر کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو اس کو ''معجزہ'' کہا جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا غیر معمولی واقعہ جو عمومی طریقے اور طرز سے نمودار نہ ہو اور کسی نبی کی بعثت کی طرف اشارہ کرتا ہو وہ ''نبوت کے آثار'' میں شمار ہوتا ہے۔

بعثت سے چھ برس قبل نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو ایک روشنی اور چمک نظر آنے لگی تھی، جس کو دیکھ کر آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ بے حد مسرور ہوتے تھے، اس چمک اور روشنی میں کسی قسم کی آواز نہیں ہوا کرتی تھی۔

یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جب کبھی کسی پیغمبر پر وحی کی شروعات ہوتی ہے تو سب سے پہلے انھیں سچے خواب دکھائے جاتے ہیں۔ بخاری شریف میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی، چنانچہ آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ رات کو جو بھی خواب دیکھتے وہ صبح کو روشنی کی طرح واضح اور سچا ہوتا تھا۔

حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ جب مکہ مکرمہ کے راستوں سے گذرتے تو پتھروں اور درختوں سے آواز آتی "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ" (اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام ہو) جب آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ اپنے دائیں بائیں مڑ کر دیکھتے تو وہاں پر پتھروں اور درختوں کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا تھا۔ آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ فرماتے ہیں کہ "میں مکہ میں ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔" (صحیح مسلم:۲۲۷۷)

بعثت نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے مقاصد: تعلیم و تدریس: قرآن کریم کی پہلی وحی کے اندر "پڑھنے" اور "قلم" کا ذکر موجود ہے، پھر حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی بعثت کے وقت اللہ تعالیٰ نے ان چار نکات کو محور و مرکز قرار دیا۔ ۱۔ اللہ تعالیٰ کی آیات ان کو پڑھ کر سنانا۔ ۲۔ انھیں پاک کرنا۔ ۳۔ انھیں کتاب کی تعلیم دینا۔ ۴۔ حکمت کی باتیں سکھانا۔ (الجمعۃ:۲)۔ یعنی آیات خداوندی پڑھ کر سنانے والے مبلغ، آیات کی تعلیم دینے والے معلم، آیات کی تفہیم کرنے والے ہادی اور آیات کی تعمیل کرانے والے مصلح تھے۔

سرگرمی برائے طلبہ وطالبات	طلبہ وطالبات کو سبق کا پس منظر ذہن نشین کرنے کے لیے حجاز مقدس کے قدیم نقشے لائے جائیں، ان میں بعثتِ نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ سے متعلق جگہوں کی نشاندہی کریں۔ اس کے لیے انٹرنیٹ سے مدد لی جائے۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

۱۔ بعثت نبوی پر مضمون تحریر کریں۔

۲۔ بعثت نبوی سے قبل حالات عرب بیان کریں۔

۳۔ بعثت نبوی کے آثار بیان کریں۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

۱۔ پہلی وحی کی آیات کا ترجمہ لکھیں۔

۲۔ بعثت نبوی کا مفہوم بیان کریں۔

۳۔ بعثت نبوی کے چند مقاصد بیان کریں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے "✓" کا نشان لگائیں:

۱۔ قریش مکہ سال میں دو مرتبہ جن ملکوں کی طرف سفر کرتے تھے وہ تھے۔

(الف) ایران۔چین (ب) عراق۔مصر

(ج) شام۔یمن (د) حبش۔یمن

۲۔ اہل مکہ کی مجلس مشاورت کا نام تھا:

(الف) دارالندوہ (ب) دارالہجرۃ

(ج) خانہ کعبہ (د) صفہ

۳۔ سب سے پہلے جو سورۃ نازل ہوئی وہ تھی:

(الف) القلم (ب) المدثر

(ج) المزمل (د) العلق

۴۔ پہلی وحی جس اسلامی مہینے میں نازل ہوئی وہ تھا:

(الف) محرم الحرام (ب) رمضان المبارک

(ج) ربیع الاول (د) شعبان المعظم

۲۔ دعوت و تبلیغ

حاصلاتِ تعلم

- دعوت و تبلیغ کے معنی و مفہوم بیان کر سکیں۔
- دعوت و تبلیغ کے مقاصد و اثرات بیان کر سکیں۔
- دعوت و تبلیغ کے مراحل بیان کر سکیں۔

دعوت و تبلیغ کا مفہوم: عربی زبان میں "دعوت" کے لغوی معنی: پکارنے اور بلانے کے ہیں۔ جبکہ "تبلیغ" کے معنی "پہنچانے" کے ہیں، دینی اصطلاح میں لوگوں کو اسلام کی طرف بلانا۔ اچھی باتوں اور دینی تعلیم کی طرف بلانے کو "دعوت دین" اور ان باتوں کو خیر خواہی کے جذبہ سے دیگر لوگوں، اقوام اور ملکوں تک پوری طرح پہنچانے کا نام "تبلیغ" ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللهِ وَعَمِلَ صَالِحًا۔ (فصلت:۳۳) ترجمہ: اور اس شخص سے بڑھ کر بات کا اچھا کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور عمل نیک کرے۔

دعوت و تبلیغ کے مقاصد: دعوت و تبلیغ کے بنیادی مقاصد میں سے چند یہ ہیں کہ: لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا جائے: اللہ تبارک و تعالیٰ کو ایک الٰہ اور رب مانا جائے، اللہ کی ذات، صفات اور اختیارات و حقوق میں کسی کو شریک نہ کیا جائے، اسلام کو دین حق سمجھ کر اللہ کے سامنے اپنے آپ کو اس کے ہاں جوابدہ سمجھا جائے، اللہ کے پیغمبروں پر پورا ایمان لا کر ان کی پیروی و اتباع کی جائے، حضرت محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کو آخری نبی جان کر ان کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے نیکی کو فروغ دینے پر آمادہ کیا جائے اور برائیوں کو ختم کرنے کی ترغیب دی جائے۔

دعوت و تبلیغ کے مراحل: حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی مکی زندگی میں دعوت و تبلیغ کے تین مرحلے ہیں:

پہلا مرحلہ خفیہ تبلیغ: بعثت کے بعد سے تین برس تک کا عرصہ ہے جو حضور کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے بڑی خاموشی اور رازداری کے ساتھ توحید کی تبلیغ میں گزار دیا۔ اس خاموش اور حکیمانہ طرز دعوت و تبلیغ کا نتیجہ یہ نکلا سب سے پہلے مردوں میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، عورتوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، غلاموں میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور بچوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس وقت حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ

وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے دعوت و تبلیغ کے کام کو مخفی رکھا، یہی وقت اور حالات کا تقاضا بھی تھا، چنانچہ ابتدا میں اہل خانہ اور قابل بھروسہ دوستوں پر محنت کی گئی، آہستہ آہستہ لوگ اسلام میں داخل ہوتے گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت بن گئی، دار ارقم کا گھر جو صفا پہاڑی پر واقع تھا ان کے اجتماعات کا مرکز بنا، جہاں پر وہ قرآن کریم کی تعلیم سیکھتے اور نمازیں ادا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو دوسری وحی کے وقت ارشاد فرمایا: ترجمہ: اے چادر میں لپٹنے والے۔(۱) اٹھیں اب خبر دار کیجیے۔(۲) اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجیے۔(۳) (سورۃ المدثر:۱۔۳)

دوسرا مرحلہ اعلانیہ تبلیغ: تین برس تک حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ مخفی طور پر دعوت و تبلیغ کا کام کرتے رہے۔اس کے بعد آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی تبلیغی مساعی کا دوسرا مرحلہ اس وقت شروع ہوا۔ جب آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو یہ حکم دیا گیا: وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ﴿۲۱۴﴾ (سورۃ الشعراء:۲۱۴) ترجمہ: اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبر دار کیجئے۔ اس حکم ملنے کے چند روز بعد سیدنا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے خاندان عبد المطلب کو دعوت پر مدعو کیا جس میں ان کے چیدہ چیدہ اور برگزیدہ ارکان بھی شامل تھے اور آپ کے چچا عبد العزیٰ ابو لہب اور دیگر چالیس کے قریب لوگ شامل تھے، کھانا کھانے کے بعد آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے محفل کو مخاطب کر کے فرمایا: میں تمھارے پاس وہ پیغام لایا ہوں، جو عرب کے کسی شخص نے پیش نہیں کیا، یہ دنیا و آخرت دونوں کی فلاح کا پیغام ہے۔ وہ چیز لایا ہوں جو دین اور دنیا دونوں کی سعادت کا سبب ہے۔ تم میں کون ہے جو اس الٰہی مہم میں میرا ساتھ دے؟

حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے بیان کے بعد پوری محفل میں سناٹا چھا گیا اور خاندان کے تمام افراد میں سے صرف نو عمر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ اور عرض کی میں آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا ساتھ دوں گا۔ اگر چہ میں سب سے چھوٹا اور کمزور ہوں لیکن اس کے باوجود آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا ساتھ دوں گا۔ شرکاء محفل نے آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی دعوت کی طرف توجہ نہ دی اور اٹھ کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

کوہ صفا: کوہ صفا پر عزیز و اقارب اور اہل مکہ تک اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچانے کے بعد اللہ ذوالجلال نے حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو قدرے وسیع پیمانے پر اس پیغام کو پھیلانے کا حکم فرمایا کہ قوم کو دعوت دیں قرآن کریم میں ہے: ترجمہ: ہم نے آپ کی طرف قرآن عربی وحی کے ذریعے بھیجا ہے تاکہ آپ اہل مکہ اور گرد و نواح کے لوگوں کو خبر دار

کریں۔(سورۃ الشوریٰ:۷) چنانچہ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر اہل قریش کو قبیلوں کے نام لے کر پکارا، قریش جمع ہو گئے، بعض نے اپنے نمائندے بھیجے اس کے بعد آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے اعلان فرمایا: "یاد رکھو! میں تمھیں اس سے بڑھ کر حق بات کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ قُوْلُوْا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ تُفْلِحُوْا ترجمہ: کہو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ یہ سن کر سب سے پہلے آپ کے چچا ابو لہب کہنے لگا: تم ہلاک ہو جاؤ! (نعوذ باللہ) کیا تم نے ہمیں اس لیے جمع کیا ہے؟ اس طرح یہ مجمع منتشر ہو گیا۔

اگلے مرحلے میں اللہ تعالیٰ نے اس پیغام کو پوری نوع انسانی یعنی بین الاقوامی درجہ دیتے ہوئے فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سورۃ السبا:۲۸) ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے خوشخبری دینے والا اور خبر دار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ سیدنا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اپنی دعوتی مہم کو آگے بڑھاتے ہوئے عرب کے موسمی بازاروں عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز (جہاں لوگ کثرت سے جمع ہوتے تھے) میں بھی جا کر آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ انھیں اسلام کا پیغام پہنچایا۔ اسلام کی تبلیغ کے لیے طائف بھی گئے اور وہاں تقریباً دس دنوں تک لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے میں مصروف رہے۔

دعوت و تبلیغ کے اصول: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جس طرح اسلام کی دعوت و تبلیغ کا حکم فرمایا ہے اسی طرح اس کے اصول وضوابط بھی بتائے ہیں فرمان الٰہی ہے: اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ (سورۃ النحل:۱۲۵) ترجمہ: اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھے وعظ کے ذریعہ لوگوں کو بلائیے اور ان سے بہتر طریقہ سے مکالمہ کریں۔

اس آیت میں دعوت و تبلیغ کے تین اصول بیان کیے گئے ہیں اور کسی بھی بات کو مؤثر انداز میں بیان کرنے کے لیے یہی اصول اپنائے جاتے ہیں: ۱۔ حکمت۔ ۲۔ موعظ حسنہ۔ ۳۔ عمدہ طریقہ پر بحث ومباحثہ۔

حکمت سے تبلیغ: مخاطب کی سطح کے مطابق گفتگو کی جائے اور اس کے اندر بات سننے کی آمادگی پیدا کی جائے۔ دانائی سے مخاطبین کی ذہنی صلاحیت کو سمجھ کر حالات اور موقع و محل کے مطابق علمی وعقلی استدلال کے ساتھ دعوت و تبلیغ کی جائے۔

موعظ حسنہ: بات کو اچھے انداز میں بیان کرنے کا اثر ضرور ہوتا ہے، چنانچہ پُر اثر گفتگو سے مخاطب کے سامنے اچھائی اور برائی کو ظاہر کر کے نصیحت والے انداز میں بات کرنا کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو اور عمدہ طریقہ سے گفتگو کر کے اس کو حق کے لیے قائل کرنا "موعظۂ حسنہ" ہے۔

بحث و مباحثہ: اپنی بات کہنے کے لیے اگر مباحثہ یا مکالمہ کی صورتحال پیش آئے تو پُر دلائل گفتگو کرنا اور مخالف کے موقف کو غلط ثابت کرنے کے لیے بہتر اور اچھی اور شائستہ زبان میں گفتگو اختیار کرنا جس میں افہام و تفہیم ہو، غصہ، جوش اور چیخ چیخ کر بات کرنے سے گریز کرنا۔(وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ)

دعوت و تبلیغ کرنے والے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جس بات کی وہ دوسروں کو تبلیغ کرتا ہے اس پر وہ خود بھی عامل ہو، قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ترجمہ: اور اس شخص سے بڑھ کر بات کا اچھا کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور عمل نیک کرے۔(فصلت:۳۳)

دعوت و تبلیغ کے اثرات و ثمرات: ابتداء میں انصار مدینہ میں سے ایک شخص سوید بن صامت جو شجاعت و شاعری میں نامور تھا حج کے زمانہ میں مکہ مکرمہ آیا اور حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی زبان مبارک سے قرآن شریف کی چند آیات سن کر اسلام کی حقانیت کا قائل ہو گیا، پھر اس کے میلان اسلام کا اثر دیگر اہل یثرب پر پڑا جس کے نتیجے میں دو تین برسوں کے اندر مدینہ منورہ کے لوگوں کی کچھ تعداد اسلام کی حلقہ بگوش ہوگئی۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف مسلمانوں کی ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور مسلمان مدینہ منورہ جا کر طاقتور ہونا شروع ہو گئے۔ اور حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ بھی ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ یہاں آتے ہی ایک مسجد کی بنیاد ڈالی۔ اور آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے مدینہ منورہ اور اس کے گردونواح کے قبائل کے ساتھ معاہدات کیے۔

غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ خندق اور صلح حدیبیہ کے بعد حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے بادشاہوں کو تبلیغی خطوط لکھے۔ خیبر کی فتح ہوئی۔ حق کی فتح اور باطل کی شکست ہوئی یعنی مکہ مکرمہ فتح ہوا۔

دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حج کے لیے تیار ہوئے۔ لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ دعوت دین اور تبلیغ اسلام کے فریضہ کے لیے ہمہ وقت اور ہمہ تن کوشش کریں تاکہ اللہ تعالیٰ کے دین کا بول بالا رہے اور ہم فلاح دارین حاصل کر سکیں۔

سرگرمی برائے طلبہ و طالبات	اپنے موجودہ ماحول میں دعوت و تبلیغ کے لیے اہم امور / نکات آیت "ادع الی سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة"، کی روشنی میں باہمی بحث و مباحثہ / مکالمہ کرنے کے بعد مرتب کریں۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

۱۔ دعوت و تبلیغ کے مراحل کیا ہیں؟ نوٹ تحریر کریں۔

۲۔ دعوت و تبلیغ کے کیا اصول ہیں؟ تحریر کریں۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

۱۔ دعوت و تبلیغ کے معنی اور مفہوم کیا ہیں؟

۲۔ دعوت و تبلیغ کے مقاصد کیا ہیں؟ تحریر کریں۔

۳۔ دعوت و تبلیغ کے اثرات کو مختصر لکھیں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے "✓" کا نشان لگائیں:

۱۔ دعوت کی لغوی معنی ہے:

(الف) بتانا (ب) پڑھانا

(ج) پکارنا (د) بلانا

۲۔ نیک اور اچھی بات دوسروں تک پہنچانے کو کہا جاتا ہے:

(الف) تقریر (ب) تدریس

(ج) تبلیغ (د) تجویز

۳۔ مکہ مکرمہ میں دعوت و تبلیغ کا ابتدائی مرکز تھا:

(الف) دار ارقم (ب) شعب ابی طالب

(ج) کوہ صفا (د) مسجد الحرام

۴۔ داعی کا کام ہے کہ مخاطب کی تنقید سن کر اس سے:

(الف) بدلہ لے (ب) درگذر کرے

(ج) جھگڑا کرے (د) غصہ کرے

ہدایات برائے اساتذہ کرام

موجودہ دور میں جدید ٹیکنالاجی کے ذرائع (کمپیوٹر، موبائل، انٹرنیٹ وغیرہ) کا دعوت و تبلیغ میں کردار پر مضمون تحریر کروائیں۔

۳۔ ہجرت مدینہ اور غزوات

حاصلاتِ تعلم

- ہجرت مدینہ کے اسباب، حالات اور واقعات بیان کر سکیں۔
- غزوات کی معنی، مفہوم اجمالی تعارف بیان کر سکیں۔
- ہجرت مدینہ کے نتائج واثرات بیان کر سکیں۔

ہجرت کے معنی و مفہوم: عربی زبان میں "ہجرت" کے معنی جدائی، علیحدگی اور ایک جگہ قطعاً چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانا ہیں۔ اسلام میں "ہجرت" کا مفہوم ہے: رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اصل وطن اور گھر بار کو چھوڑ کر دوسرے ملک میں سکونت اختیار کرنا، خاص طور پر جہاں وہ محکوم اور مظلوم ہوں، ان کو اسلام پر عمل کرنے میں زندگی گزارنا مشکل ہو تو ایسے حالات میں نقل مکانی کر کے ایسی جگہ چلے جائیں، جہاں دین کے تقاضے پورے کیے جا سکیں اور اس پر عمل کرنا آسان ہو۔

اسلام کی پہلی ہجرت حبشہ کی طرف ہوئی اور دوسری ہجرت "یثرب" مدینہ منورہ کی طرف حکم الٰہی کے مطابق ہوئی، مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کو وطن بنانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم "مہاجر" اور ان کی مدد کرنے والے اہلِ مدینہ "انصار" کہلاتے ہیں۔

ہجرتِ مدینہ کے اسباب: مدینہ منورہ عرب کا ایک قدیم شہر ہے، جس کا اصلی نام "یَثْرِب" تھا جو حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی ہجرت کے بعد "مَدِیْنَۃُ النَّبِیّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ" (نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا شہر) اور پھر مدینہ منورہ مشہور ہوا۔ مدینہ کی طرف ہجرت کے درج ذیل اسباب ہیں:

ایک طرف مکہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشرکین مکہ کی زیادتیاں عروج پر تھیں، تو دوسری طرف یثرب میں اسلام کی عام مقبولیت کے پیش نظر مسلمانوں کے لیے ماحول ساز گار تھا، چنانچہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت عنایت فرمادی۔ تمام مسلمان ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے صرف چند باقی رہ گئے جن کو مشرکین نے قید کر رکھا تھا یا وہ غربت اور مجبوری کی وجہ سے نہیں جا سکتے تھے، ان کے علاوہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی کچھ خاص مصلحتوں کی وجہ سے پیچھے رہنے والوں میں شامل تھے۔

مکہ مکرمہ میں دعوت اسلام پر پابندی: بعثت نبوی سے پہلے قریش حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو صادق وامین کے القاب سے پکارتے تھے تاہم آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے اعلان نبوت کے بعد قریش مکہ آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے جانی دشمن بن گئے، چنانچہ آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے لیے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا بے حد مشکل ہو گیا، اس کے باوجود آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ ابتداء میں خفیہ طریقے سے لوگوں کو دین کی تعلیم دیتے رہے اور تربیت کرتے رہے۔

مسلمانوں پر مظالم: مکہ مکرمہ میں دشمنوں نے اسلام قبول کرنے والے ہر شخص پر مظالم ڈھائے، ان کو جسمانی، ذہنی اذیتیں پہنچانے کا کوئی موقع نہ چھوڑتے، یہاں تک کہ انھوں نے حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اور دیگر مسلمانوں کو تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور کر دیا اور ان سے مقاطعہ کر لیا۔ علاوہ ازیں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اذیتیں دے کر شہید کر دیا۔

ہجرت حبشہ کا حوصلہ افزا تجربہ: قریش مکہ کی سخت روی سے تنگ آکر دو مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حبشہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے جہاں ان کو اطمینان و آرام میسر ہوا تاہم مخالفوں کی سازشوں کی وجہ سے وہ دوبارہ مکہ مکرمہ لوٹ آئے اور کفار مکہ تکلیفیں اور اذیتیں سہتے رہے۔

اہل مدینہ کا اشتیاق: یثرب کے کچھ نیک حضرات حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے عقبہ کے مقام پر دو مرتبہ بیعت کر چکے تھے اور ان کی تمنا تھی کہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ یثرب آکر ہمیں دین کی باتیں سکھائیں لیکن آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اللہ تعالیٰ کے حکم واذن کے منتظر تھے۔

اذن الٰہی: ان تمام مشکلات کو سامنے رکھتے ہوئے مسلمانوں کے اصرار پر حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے مسلمانوں کو بعثت کے چودھویں برس ۲۷ صفر کو یثرب کی طرف ہجرت کی اجازت فرمائی اور لوگ چھپتے چھپاتے، یثرب کے لیے روانہ ہوتے رہے۔ یہ ہجرت تمام مسلمانوں پر فرض تھی۔

حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی ہجرت اور واقعات: حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اور آپ کے دو پیارے ساتھی حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما، اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر تھے، چنانچہ جب نبوت کا تیرھواں سال شروع ہوا، اور اس وقت تک اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ روانہ ہو چکے تھے، تو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے بھی ہجرت کی تیاری شروع فرمائی۔

دارالندوہ میں کفار کا مشورہ: مشرکینِ مکہ نے جب دیکھا کہ مسلمان ہجرت کرنے کے بعد مدینہ منورہ میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ سکون و آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور اوس و خزرج جیسے طاقتور قبائل ان کے حمایتی و مددگار بن چکے ہیں، تو ان کو مسلمانوں اور خاص طور پر حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے حسد کی وجہ سے پریشانی ہوئی، چنانچہ تمام زعماء قریش دارالندوہ میں جمع ہو کر حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے خلاف تدبیریں کرنے لگے۔

غارِ ثور میں قیام: حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی کفار کے اس مکر سے باخبر فرما دیا تھا اور کفار کی اتنی شدید دشمنی کے باوجود حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے پاس رکھی ہوئی کفار کی امانتیں صحیح سلامت ان کے مالکان تک پہنچانے کی غرض سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلا کر فرمایا "ہمیں ہجرت کا حکم مل چکا ہے، اس لیے ہم آج ہی مدینہ روانہ ہو جائیں گے، آپ میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر سو جائیں، صبح کو یہ امانتیں مالکان کے سپرد کر کے آپ بھی مدینہ پہنچ جائیں۔"

حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ رات کی تاریکی میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے کر مکہ مکرمہ سے نکل کر ثور پہاڑ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے شہر مکہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "تو بڑا پاکیزہ شہر ہے اور مجھے بڑا محبوب ہے۔ میری قوم اگر مجھے یہاں سے نکلنے میں مجبور نہ کرتی تو میں تمھارے سوا کسی اور جگہ نہ جاتا"۔ پھر آپ دونوں نے غارِ ثور کے اندر تین دن تک قیام فرمایا۔

ادھر صبح کے وقت جب کفار نے حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے گھر میں جا کر دیکھا تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پایا اور ان سے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے متعلق دریافت کرتے رہے اور پھر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی تلاش میں نکل پڑے۔ یہاں تک کہ غارِ ثور تک آ پہنچے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نظر نہیں آئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نوجوان بیٹا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ دن کے حالات معلوم کر کے رات کے وقت آپ کو باخبر کرتا، شام کے وقت روزانہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بکریاں چراتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ کو دودھ دے جاتا، اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہ کھانا تیار کر کے دینے آتی تھی۔

غارِ ثور سے مدینہ منورہ روانگی: چوتھے دن حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ غار سے باہر نکلے، عبداللہ بن اریقط نامی شخص کو اجرت پر بطور راستہ دکھانے والا لیا۔ اسی طرح یہ چھوٹا قافلہ ایک دن اور رات مسلسل چلتا رہا، دوسرے

دن دوپہر کے وقت گرمی اور دھوپ کی تپش کی وجہ سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کچھ وقت آرام فرمالیں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چاروں طرف نظر دوڑائی تو انھیں ایک بڑے ٹیلے کے قریب کچھ سایہ نظر آیا، چنانچہ وہیں پر پڑاؤ کے لیے رک گئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قریب ایک بکریاں چرانے والے چرواہے سے کچھ دودھ لے کر آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو پیش کیا، جب سورج ڈھلنے لگا تو آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے آگے کُوچ کیا۔

قبا میں تشریف آوری: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سن ۱۴ نبوت بمطابق سنہ ایک ہجری کو بحفاظت قبا بستی میں پہنچ گئے، جہاں آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے چند دن قیام فرمایا اور وہاں ایک مسجد تعمیر کی اور اس میں نماز پڑھی جس کو "مسجد قبا" کہا جاتا ہے۔ جس کے لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے: البتہ جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر اول روز سے پڑی ہے۔

مدینہ منورہ میں پہلے ہی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے آمد کی خبر پہنچ چکی تھی اس لیے تمام شہر والے آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی آمد کے بڑی شدت سے انتظار کر رہے تھے، وہ روزانہ صبح کو مقام حرہ تک آکر آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا انتظار کرتے اور پھر واپس چلے جاتے تھے۔ ایک دن تمام لوگوں کے واپس ہو جانے کے بعد ایک یہودی نے (جو اپنے قلعہ پر تھا) آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو دیکھا اور چلّا کر مسلمانوں کو بتانے لگا: اے اہل عرب! تمھارا مہمان آپہنچا۔

مدینہ منورہ میں داخلہ: حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ کے حکم سے مدینہ کی جانب روانہ ہوئے، بنو سالم بن عوف کی بستی میں پہنچ کر بطن وادی میں جمعہ کی نماز پڑھائی، اسی طرح آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ مدینہ منورہ آپہنچے، اہل مدینہ نے آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا پُرجوش استقبال کیا اور آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی تشریف آوری پر خوشی کا اظہار کیا اور دل کھول کر آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا ہر طرح کا تعاون کیا۔

ہجرت کی فضیلت: ہجرت کرنے والے مسلمانوں کو دنیا و آخرت میں فائدہ ہوتا ہے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت کے بھی حق دار ہوتے ہیں۔ اور ان کے لیے مغفرت، جنت اور بہترین اجر کا انعام رکھا ہے۔ اور انھیں یقین دلایا گیا ہے کہ ان کے اعمال ضائع نہیں ہوں گے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ترجمہ: تو ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول کر لی اور فرمایا کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو مرد ہو یا عورت ہو ضائع نہیں کرتا۔ تم ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔ تو جو لوگ میرے لیے وطن

چھوڑ گئے اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور (اللہ کی راہ میں) لڑے اور قتل کیے گئے، میں ان کے گناہ دور کر دوں گا اور ان کو بہشتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ یہ اللہ کے ہاں سے بدلہ ہے اور اللہ کے ہاں اچھا بدلہ ہے۔ (آل عمران:۱۹۵) بجا طور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جب تک جہاد فرض نہیں ہوا تھا، اس وقت سب سے بڑا عمل "ہجرت" تھا۔ لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ ہجرت اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہو اور اللہ تعالیٰ کے دین پر قائم رہنے اور اس کی دعوت و اشاعت کے لیے ہو۔

ہجرت کے ثمرات:

- ہجرت کی برکت سے ایک اسلامی سلطنت وجود میں آ گئی۔
- ضعیف الایمان مسلمانوں کو تقویت حاصل ہوئی۔
- ایک مضبوط اسلامی سلطنت قائم ہونے کی وجہ سے دین اسلام کی تبلیغ میں آسانی و قوت حاصل ہو گئی۔
- ہجرت سے پہلے مسلمانان مکہ اقلیت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ کافروں کے ظلم کے شکار رہے۔ کوئی دینی کام آزادی سے سر انجام نہیں دے سکتے تھے، پھر جان کا خطرہ الگ تھا۔ لیکن ہجرت کے بعد وہی مظلوم مسلمان ایک خطہ زمین کے مالک ہو گئے اور ان کو تبلیغ اسلام کے بہترین مواقع حاصل ہو گئے۔

غزوات

"غزوہ" کے معنی کسی سے لڑنے کے لیے نکلنے، حملہ کرنے اور جنگ کرنے کے ہیں۔ محدثین اور سیرت نگاروں کے نزدیک "غزوہ" ایسی جنگی مہم کو کہا جاتا ہے جس میں حضور اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے بذات خود شرکت فرمائی ہو، آپ کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ لشکر کے امیر کی حیثیت میں اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے کوشاں رہے۔

ہجرت کے بعد تمام عرب قبائل مدینہ پر حملے کے لیے کمربستہ ہو گئے، قریش نے عبد اللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھیوں کو کہلا بھیجا کہ تم نے ہمارے آدمی (حضرت محمد مصطفیٰ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ) کو پناہ دے کر ٹھہرایا ہے، اس سے لڑائی کرو، یا اسے اپنے شہر سے نکال دو ورنہ ہم سب تمھارے اوپر حملہ کر دیں گے اور جوانوں کو قتل کیا جائے گا اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنا دیا جائے گا۔

دوسری طرف مشرکین مکہ نے مدینہ کے یہود سے سازباز کرنا بھی شروع کر دی، ان کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر اکسانے کے بعد مسلمانوں کو پیغام بھیجا کہ مکہ سے نکل کر تم اپنے آپ کو یثرب میں محفوظ نہ سمجھو، ہم یثرب میں آکر تمھیں ختم کر دیں گے۔ چنانچہ ایسی صورتحال کے پیش نظر اور مدینہ کی پہلی اسلامی ریاست کے قیام کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنا دفاع کرنے اور ریاست کو بچانے کے لیے انھیں جہاد کرنے کی اجازت دی ارشاد پاک ہے: ترجمہ: جن سے لڑائی کی جارہی ہے ان کو اب لڑنے کی اجازت ہے کیوں کہ وہ مظلوم ہیں اور بے شک اللہ ان کی مدد پر قدرت رکھتا ہے۔ (الحج:۳۹) چنانچہ ریاست مدینہ کے دفاع کے لیے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے مخالفین اسلام سے اسلحہ کے ساتھ جہاد کیا۔ ان میں چند اہم یہ ہیں:

غزوہ بدر: حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے مدینہ منورہ ایک سال پورا کیا تھا کہ ماہ رمضان سن ۲ھ میں مشرکین مکہ نے ابوجہل کی قیادت میں مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا، آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو اطلاع مل گئی تو، آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے آگے بڑھ کر ”بدر“ کے مقام پر مشرکین کا مقابلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

غزوہ احد: غزوہ بدر کے ٹھیک ایک سال بعد مشرکین مکہ ابوسفیان کی قیادت میں ماہ شوال سن ۳ھ میں مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے، مسلمانوں نے ”احد“ کے مقام پر ان کا مقابلہ کیا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کا بھاری نقصان ہوا مگر دشمن بھی اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہوا۔

غزوہ خندق: تیسری مرتبہ ماہ ذوالقعد سن ۵ھ میں پورے عرب کے مشرکین و کفار اکٹھے ہو کر بڑی طاقت کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوئے، اس جنگ کا دوسرا نام غزوہ احزاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے طوفان اور آندھی بھیج کر کفار کے عزائم کو خاک میں ملا دیا۔

غزوہ خیبر: سن ۷ھ میں خیبر کے یہودیوں نے سخت بغاوت شروع کر دی۔ یہودیوں نے کئی قلعے بنائے تھے۔ سارے قلعے فتح کیے گئے آخری قلعہ قموص تھا، جس کو شیر خدا حیدر کرار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کمان میں فتح کیا گیا۔

فتح مکہ: مسلمانوں نے رمضان المبارک سن ۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح کیا۔

غزوہ حنین: سن ۸ھ میں ”غزوہ حنین“ ہوا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی۔

غزوہ تبوک: سن ۹ھ میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو اطلاع ملی کہ رومی اور اس کے اتحادی مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کرنے کے ارادے سے نکل چکے ہیں، تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اپنے

مجاہد ساتھیوں کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ مگر جب رومیوں نے مسلمانوں کا عزم دیکھا تو وہ واپس چلے گئے۔ اور اسلامی لشکر بغیر لڑائی کے واپس آ گیا۔

ہمیں بھی چاہیے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے اسوہ حسنہ کا اتباع کرتے ہوئے بوقت ضرورت ہجرت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے کوشاں رہنا چاہیے، اسی میں دونوں جہانوں کی کامیابی ہے۔

سرگرمی برائے طلبہ وطالبات

حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے جن غزوات میں شرکت فرمائی، ان کا چارٹ بنا کر اس میں سال، مسلمان اور کفار کی تعداد، کامیابی / شکست کو ظاہر کریں مثلاً: جنگ بدر ۲ھ میں واقع ہوئی۔ مسلمان ۳۱۳ اور کفار ۱۰۰۰ تھے مسلمانوں کو فتح ہوئی، ۷۰ کفار قتل ہوئے ۷۰ قیدی ہوئے۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

۱۔ ہجرت کے واقعہ سے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟ وضاحت کریں۔

۲۔ ہجرت مدینہ کے اسباب بیان کریں۔

۳۔ مختلف غزوات کا اجمالی تعارف لکھیں۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

۱۔ ہجرت کا معنی اور مفہوم بیان کریں۔

۲۔ غزوہ بدر کب اور کیوں ہوا؟

۳۔ ہجرت کی فضیلت کیا ہے؟ نوٹ تحریر کریں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے "✓" کا نشان لگائیں:

۱۔ ہجرت لفظ کے معنی ہیں:

(الف) مسلمان ہونا　　(ب) حصول علم کے لیے سفر کرنا

(ج) دین کی خاطر نقل مکانی کرنا　　(د) قیام کرنا

۲۔ سفر ہجرت کے دوران حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ ٹھہرے:

(الف) غار حرا میں　　(ب) غار ثور میں

(ج) کہف میں　　(د) طائف میں

۳۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ بذاتِ خود جس جنگی مہم میں شامل ہوں وہ کہلاتا ہے:

(الف) غنیمت　　(ب) جزیہ

(ج) غزوہ　　(د) سریہ

۴۔ دوسرا غزوہ ہے:

(الف) تبوک　　(ب) خیبر

(ج) احد　　(د) بدر

ہدایات برائے اساتذہ کرام

اساتذہ کرام کو چاہیے کہ غزوات پر تفصیلاً روشنی ڈالیں تاکہ طلبہ و طالبات اس کے ہر پہلو سے آگاہ ہو سکیں۔

۴۔ خصائل و شمائل نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ

حاصلاتِ تعلم

- خصائل و شمائل کے معنی اور مفہوم بیان کر سکیں۔
- رسول اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی عادات واطوار بیان کر سکیں۔
- روزمرہ کی عملی زندگی میں آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر سکیں۔

خصائل و شمائل کے معنی اور مفہوم: "خصائل" عربی کے لفظ "خصلة" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی عادات ہے (اچھی یا بری)۔ جبکہ شمائل "شَمِيْلَه" کی جمع ہے، جس کے معنی اچھی طبیعت، عمدہ عادت اور نیک صفت و خصلت کے ہیں۔ خصائل اور شمائل نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ سے مراد رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی ظاہری خوبیاں و باطنی خصائل اور عمدہ عادات ہیں، آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی شب و روز کی زندگی جیسے اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا، سونا، جاگنا، مزاج، معاشرت اور لباس، اخلاق، پاکیزہ خصوصیات اور خوبیاں و اوصاف، بالخصوص آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کا اہل خانہ سے برتاؤ، لوگوں سے میل جول، آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کا ساتھیوں سے رویہ، آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی ظاہری صورت اور سیرت، حلیہ مبارک اور جسمانی بناوٹ مراد ہیں۔

خصائل و شمائل نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی اہمیت و فضیلت: حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی پاکیزہ زندگی ہی اسلام کی صحیح اور کامل تصویر ہے۔ آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے اقوال و افعال اور حیات مبارکہ کا اتباع ہی مؤمن کے لیے نجات دہندہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (الاحزاب: ۲۱)۔ ترجمہ: (مسلمانو!) درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکرم نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی عمدہ عادات اور بے مثال سیرت کو اس امت کے لیے ایک بہترین "اسوۂ حسنہ" قرار فرما کر اس کے مطابق زندگی گزارنے کی ترغیب دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کو عمدہ صورت کی طرح اعلیٰ سیرت، بلند اخلاق اور عمدہ صفات کا مجموعہ بنایا تھا، جس کی گواہی خود قرآن کریم نے بھی دی ہے: وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ (سورۃ القلم: ۴) ترجمہ: یقیناً آپ کے اخلاق بڑے اعلیٰ ہیں۔ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی ذات اقدس سیرت اور صورت دونوں

اعتبار سے کامل اور اکمل تھیں، اپنی قوم میں اچھے کردار، فاضلانہ اخلاق اور کریمانہ عادات کے لحاظ سے ممتاز تھے اور حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی شخصیت نہایت بارعب اور پُر وقار تھی۔ سب سے زیادہ بامروت، سب سے زیادہ خوش اخلاق، سب سے زیادہ راست گو، سب سے زیادہ کریم، سب سے زیادہ نیک عمل، سب سے بڑھ کر پابند عہد، سب سے زیادہ امانت دار تھے۔ پس جو اشخاص اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگانی خوبصورت اور کامیاب بنانا چاہتے ہیں تو انھیں آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے خصائل و شمائل کی طبیعت کی پوری آمادگی اور ایک قلبی لگاؤ کے ساتھ پیروی کرنی چاہیے۔ اس کو معلوم ہو کہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ جو کوئی حکم اپنی زبان مبارک سے واضح الفاظ میں دے رہے ہیں۔ یا یہ کہ آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو کیا پسند ہے اور کیا ناپسند۔ آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی نشست و برخواست کا طریقہ کیا ہے۔ گفتگو کا انداز کیا ہے۔ چلتے کس طرح تھے، لباس کون سا پہنتے تھے، کھانے میں کیا چیز مرغوب تھی۔ یہ سب جان کر مومن ان کی اتباع کر سکے اور نجات دارین حاصل کر سکے۔

حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا اپنے اہل خانہ سے برتاؤ: حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی گھریلو زندگی نہایت شائستگی اور خوشگوار نوعیت کی تھی، آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اپنے اہل خانہ کے ساتھ گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے، اپنے کام خود سر انجام دیتے اور اہل خانہ سے کبھی بھی سختی سے پیش نہیں آئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے اہل خانہ کے لیے بہتر ہے، اور میں اپنے اہل خانہ کے معاملہ میں تم سب سے زیادہ بہتر ہوں۔ (سنن ترمذی، حدیث:۳۸۹۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے بڑھ کر کوئی شخص نہیں دیکھا جو اپنے اہل و عیال کے لیے شفیق اور مہربان ہو۔ (اخلاق النبی صہ لابی الشیخ الاصبهانی، ج1، ص ۳۸۰)

حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ گھر میں عام لوگوں کی طرح زندگی گزارتے تھے، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ بتاتی ہیں کہ حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اپنے کپڑے خود صاف فرماتے، بکری کا دودھ نکالتے، اپنے کام خود کر لیتے تھے، کپڑوں اور جوتوں کو پیوند لگانا اور اپنے کپڑے کو سینا یہ تمام اعمال خود سر انجام دیتے تھے۔ (مسند احمد، حدیث:۲۵۳۴۱)

اسی طرح گھر والوں کے ساتھ خوش طبعی سے پیش آنا، اپنے اہل خانہ کی ضرورتوں کو پورا کرنا اور گھر میں داخل ہوتے وقت گھر والوں کو سلام کرنا بھی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے ثابت ہے۔ یہ تمام باتیں ایک بہتر گھرانہ کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

حضور اقدس صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا محلے اور معاشرے کے لوگوں سے برتاؤ: حضور اکرم صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی مبارک زندگی نہ صرف انفرادی حسنِ اخلاق اور پاکیزہ کردار اپنانے میں رہنمائی کرتی ہے، بلکہ معاشرے کی بہتر سے بہتر طور پر تشکیل اور باہمی ہم آہنگی کو فروغ دینے کے لیے خاندان، محلہ اور پڑوس کے ساتھ حسن سلوک پر بھی زور دیتی ہے۔ چنانچہ معاشرتی معاملات میں رشتہ داروں، پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرنا ان کی ضروریات کا خیال رکھنا، ان کو تحفہ تحائف بھیجنا، طبع پرسی کرنا، تعزیت کرنا، ایک دوسرے کو دعوت دینا، معاشرے کے نادار لوگوں کے کام آنا، دشمنوں سے بھی نیکی کرنا وغیرہ خصائل مبارک میں سے تھے اور سیدنا رسول اکرم صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے اپنی تعلیمات میں ان چیزوں کی طرف زیادہ توجہ دی ہے۔ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور کریم صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے مخاطب ہو کر فرماتی ہیں کہ: آپ کریم صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے سہاروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، خالی ہاتھ والوں کی مدد کرتے ہیں، مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کے سلسلے میں پیش آنے والے مصائب میں مدد فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو اکیلا نہیں چھوڑے گا۔
(صحیح بخاری: کتاب بدء الوحی:۳)

یہ تمام خوبیاں پیارے رسول اللہ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے ہمدردی اور خیر خواہانہ رویہ کی عکاسی کرتے ہیں، جس میں معاشرہ میں کمزور سمجھے جانے والے نادار طبقہ سے بھی ایسا ہی سلوک روا رکھنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے جو کسی شاہانہ طرز رکھنے والے سے رکھا جائے۔

اسی طرح مظلوموں اور بے کسوں کی فریاد سننا اور ان کے کام آنا حضور اکرم صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ چنانچہ ایک اجنبی حضور اکرم صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے پاس آکر التجا کرنے لگا کہ ابوجہل کے ذمہ میرا قرض ہے وہ ادا نہیں کر رہا ہے اس وقت آپ کریم صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ حرم مکہ میں عبادت کر رہے تھے، لیکن عبادت کو مؤخر کیا اور اپنے ذاتی دشمن ابوجہل کے پاس ایک اجنبی کی مدد کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، اور اس سے حق وصول کروادیا۔ (تہذیب سیرۃ ابن ہشام، ص:۷۴)

۸ ہجری میں جب اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو قریش مکہ پر غلبہ عطا فرمایا اور شہر مکہ فتح ہوا، تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے بیس برس کے ان تمام مظالم اور زیادتیوں کا بدلہ لینے کی بجائے اپنی قوم کے لوگوں کو معاف کرتے ہوئے اعلان فرمایا: ترجمہ: آج تمھارے اوپر کوئی ملامت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔ (رحمۃ للعالمین ج:۱، ص:۱۱۳) لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ سیدنا رسول اللہ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے خصائل و شمائل کو اپنا کر سعادت دارین حاصل کریں۔ بالخصوص حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حضور کریم صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی

آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے لیے بیان کردہ عمدہ خصوصیات ہمارے لیے قابلِ اتباع ہیں۔ حصول محبت رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا دوسرا ذریعہ درود و سلام کی کثرت میں ہے جو کہ شفاعت محمدی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے حصول کا بھی ذریعہ ہے۔

سرگرمی برائے طلبہ و طالبات

نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے خصائل و شمائل کی روشنی میں موجودہ ماحول (کلاس روم۔ اسکول۔ گھر۔ محلہ۔ کھیل کے میدان اور شہر) میں نکات مرتب کریں۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

۱۔ خصائل و شمائل نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی اہمیت و فضیلت پر نوٹ لکھیں۔

۲۔ دوسروں کے کام آنے میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا کیا طریقہ تھا؟

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

۱۔ خصائل اور شمائل نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے کیا مراد ہے؟

۲۔ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی گھریلو مصروفیات کیا تھیں؟

۳۔ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی مبارک زندگی اہل محلہ سے کیسا رویہ رکھنے کا درس دیتی ہے؟

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے "✓" کا نشان لگائیں:

۱۔ حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے خصائل و شمائل سے مراد ہے:

(الف) سیرت نبوی　　(ب) اسوہ حسنہ

(ج) سنت　　(د) عمدہ عادات و خصوصیات

۳۔ فتح مکہ کے وقت اپنی قوم کے تمام لوگوں کو حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے:

(الف) قید کر دیا　　(ب) شہر چھوڑنے پر مجبور کر دیا

(ج) معاف کر دیا　　(د) امیر بنا دیا

ہدایات برائے اساتذہ کرام

طلبہ و طالبات کو سبق میں دی ہوئی حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی عادات مبارکہ خاص طور پر "اپنا کام خود کرنا" کی اہمیت بتائیں۔ اساتذہ کرام طلبہ و طالبات کو "شمائل نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ" پر مختصر آگاہ کریں۔

۵۔ مناقبِ اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم

حاصلاتِ تعلم

- اہل بیت اطہار کا تعارف اور مناقب بیان کر سکیں۔
- روزمرہ کی زندگی میں اہل بیت اطہار سے محبت کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر سکیں۔

مناقب کا معنی اور مفہوم: مناقب عربی زبان کا لفظ ہے اس کا واحد "مَنْقَبَۃٌ" ہے، جس کے معنی تعریف، اچھے کام، خوبیاں اور فضائل کے آتے ہیں۔ اصطلاح میں کسی مشہور شخصیت کے کارناموں اور فضائل کو "منقبۃ" کہا جاتا ہے، چاہے وہ نثر میں ہو یا نظم میں، اہل بیت، بزرگان دین اور اصحاب کرام کی ثنا، اوصاف اور تعریفیں۔

اہلِ بیت: "اھل" عربی زبان میں "والے یا والا" کو کہتے ہیں اور "بیت" "گھر" کو کہتے ہیں چنانچہ اہلِ بیت کے معنی ہوئے "گھر والے"۔

مناقب اہل بیت: قرآن مجید کی اصطلاح کے مطابق "اہلِ بیت" سے مراد حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کا گھرانہ ہے جس میں آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی آل پاک، ازواج مطہرات اور اولاد شامل ہیں ۔ قرآن کریم نے آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن کو امہات المومنین (تمام مومنین کی مائیں) قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ (سورۃ الاحزاب:٦) ترجمہ: اور حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں ہیں۔ ازواج مطہرات کی تعداد گیارہ ہے، جن میں سے دو آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی زندگی ہی میں وفات پا گئی تھیں اور نو ازواجِ مطہرات زندگی کے آخری ایام تک آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے ساتھ موجود تھیں۔ مندرجہ ذیل ان سب کا مختصر تذکرہ کیا جا رہا ہے:

ازواجِ مطہرات:

۱۔ ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا: حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے آپ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اس وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال تھی۔ حضور کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ پر سب سے پہلے ایمان لانے والی خاتون ہیں۔ ان کی حیات مبارکہ میں آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ

وَسَلَّمَ نے دوسری شادی نہیں کی، اور آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی تمام اولاد انہی کی بطن سے تھی، سوائے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ چار عورتوں کو دنیا کی تمام عورتوں پر فوقیت اور فضیلت حاصل ہے: حضرت مریم بنت عمران، حضرت آسیہ بنت مزاحم (زوجہ فرعون)، حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمۃ بنت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ساری دولت اسلام اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے لیے وقف کر دی۔ ۶۵ سال کی عمر میں سنہ ۱۰ نبوت میں ان کی وفات ہوئی، ان کی دینِ اسلام کے لیے بے مثال خدمات ہیں۔

۲۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما: نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ان سے شوال سنہ ۱۱ نبوت میں نکاح کیا۔ ہجرت کے سات مہینے بعد شوال ۱ ہجری میں آپ کی رخصتی ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا امت کی سب سے زیادہ فقیہ عورتوں میں شامل ہیں۔ نہایت بہادر اور دلیر تھیں۔ غزوہ احد میں رسول اللہ کے زخم صاف کیے۔ زخمی غازیوں کو پانی پلاتی۔ آپ رضی اللہ عنہا کا ۱۷ رمضان ۵۷ ہجری کو انتقال ہو گیا، اور آپ رضی اللہ عنہا جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

۳۔ ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ان سے رمضان ۴ ہجری میں نکاح فرمایا۔ انھیں ''ام المساکین'' کہا جاتا تھا۔ کیوں کہ وہ مسکینوں کو کھانا کھلاتی تھیں۔

۴۔ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا: آپ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی پھوپھی حضرت امیمہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی تھیں۔ ذوالقعدہ ۵ ہجری میں سرکار دو عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ان سے شادی کی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بڑی عبادت گزار اور خوب صدقہ کرنے والی عورت تھیں۔ ۵۳ سال کی عمر میں سنہ ۲۰ ہجری میں ان کی وفات ہوئی اور جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

ان کے علاوہ دوسری ازواجِ مطہرات ۱۔ ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا، ۲۔ ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہا، ۳۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ بنت ابو امیہ رضی اللہ عنہا، ۴۔ ام المومنین حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا، ۵۔ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابو سفیان رضی اللہ عنہا، ۶۔ ام المومنین حضرت صفیہ بنت حیی بن اَخطب رضی اللہ عنہا، ۷۔ ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ماریہ قبطیہ بھی تھیں جنھیں شاہ مصر مقوقس نے تحفہ میں بھیجا تھا۔ ان کے بطن سے حضرت ابراہیم رضی اللہ

عنہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ سب ازواجِ مطہرات آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے اہل اور امت مسلمہ کی رہنمائی کے لیے ہدایت ورہنمائی کے روشن مینار ہیں۔

اہل بیت (اولاد): حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی اولاد مبارک جو سب حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہ کے بطن سے ہیں، ان کا مختصر تذکرہ مندرجہ ذیل ہے:

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے سب سے بڑے صاحب زادے تھے، انھی کی نسبت سے حضور کی کنیت ابو القاسم ہے۔ تقریباً دو سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا: سیدہ زینب رضی اللہ عنہا حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی سب سے بڑی بیٹی تھیں جو اعلان نبوت سے دس سال قبل پیدا ہوئیں۔ ۸ھ میں حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے رحلت فرمائی اور جنت البقیع، مدینہ منورہ میں مدفون ہیں۔

حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا: حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی اولاد میں دوسری صاحبزادی تھیں۔ ۲ ہجری میں غزوۂ بدر کے موقع پر آپ رضی اللہ عنہا بیمار ہویں اور اسی سال سنہ ۲ ہجری کو رحلت فرمائی اور جنت البقیع میں دفن ہیں۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا: آپ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی تیسری صاحبزادی ہیں۔ نبوت سے کچھ عرصہ قبل پیدا ہوئیں۔ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے شعبان ۹ھ میں رحلت فرمائی اور مدینہ منورہ، جنت البقیع میں ان کو دفن کیا گیا۔

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا: آپ رضی اللہ عنہا کا نام فاطمۃ اور لقب الزھراء ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا تمام مسلمانوں کے نزدیک ایک برگزیدہ ہستی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی ولادت ۲۰ جمادی الثانی بروز جمعہ مکہ مکرمہ میں ہوئی۔

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے مشہور القاب میں "زہراء" اور "سیدۃ نساء العالمین" (تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار) اور "بتول" ہیں۔ مشہور کنیت ام الائمہ اور ام الحسنین ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا مشہور ترین لقب سیدۃ نساء العالمین ایک مشہور حدیث کی وجہ سے پڑا جس میں حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ان کو فرمایا کہ "وہ دنیا اور آخرت میں عورتوں کی سیدہ (سردار) ہیں۔" (صحیح البخاری:۳۱۰۸)۔

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شادی امیر المومنین شیر خدا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوئی جن سے تین صاحبزادے، حضرت سیدنا حسن اور حضرت سیدنا حسین رضی اللہ اور سیدنا محسن رضی اللہ

عنہم اور دو صاحبزادیاں حضرت سیدہ زینب اور حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما پیدا ہوئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی رحلت اپنے والد حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی رحلت کے کچھ ماہ بعد ہوئی۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ: آپ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے دوسرے صاحبزادے تھے جو بچپن میں ہی وفات پا گئے تھے۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ: حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے صاحبزادے تھے جو حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے۔ جو بچپن میں ہی وفات پا گئے اور بقیع میں مدفون ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے امہات المومنین رضی اللہ عنھن سے خطاب فرمایا: یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (سورۃ الاحزاب: ۳۲) ترجمہ: اے نبی کی بیویو! تم دنیا کی عورتوں کی طرح نہیں ہو (بلکہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے تعلق کی بناء پر تمھاری شان اور مقام بہت بلند ہے۔) چنانچہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن، آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی اولاد اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خاندان جو سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے ہیں ''اہل بیت'' کا شرف رکھتے ہیں۔

اہل بیت کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ﴿۳۳﴾ (سورۃ الاحزاب:۳۳) ترجمہ: اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے اہل بیت تم سے ناپاکی دور کرے اور تمھیں خوب پاک کرے۔

حدیث الکساء: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے حضرت فاطمۃ الزہراء، حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بلایا اور انھیں ایک چادر لے کر ان کے اندر داخل فرمایا اور دعا مانگی: اَللّٰهُمَّ هٰٓؤُلَآءِ اَهْلُ بَیْتِی فَاَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَ طَهِّرْهُمْ تَطْهِیْرًا۔ (سنن ترمذی، حدیث: ۳۸۷۱) ترجمہ: اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ ان سے نجاست دور فرما اور انھیں پاک کر دے۔

حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے مکان کے قریب گزرتے تو نماز کے لیے بلاتے: اَلصَّلٰوۃُ اَهْلَ الْبَیْتِ یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ۔ نماز اے اہل بیت اللہ تم سے نجاست دور فرمائے۔ (سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۳۲۰۶)

حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا ارشاد گرامی ہے کہ: میں نے تمھارے اندر دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ جب تک تم انھیں پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو سکتے۔ وہ کتاب اللہ اور میری اہل بیت ہے۔ (سنن ترمذی: ۳۷۸۶)۔

ایک طویل حدیث میں ارشاد ہے کہ زید نے کہا جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ ایک دن خطبہ سنانے کو کھڑے ہوئے ہم لوگوں میں ایک پانی پر جس کو خم کہتے تھے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے بیچ واقع ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور وعظ نصیحت کی۔ پھر فرمایا: "بعد اس کے کہ اے لوگو! میں آدمی ہوں قریب ہے کہ میرے پروردگار کا بھیجا ہوا موت کا فرشتہ آئے اور میں قبول کروں۔ میں تمہارے درمیان دو بڑی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، پہلی اللہ تعالیٰ کی کتاب جس میں ہدایت اور نور ہے تو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو تھامے رہو اور اس کو مضبوط پکڑے رہو۔" غرض آپ نے رغبت دلائی اللہ کی کتاب کی طرف۔ پھر فرمایا: "دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں تم کو اہل بیت کے باب میں خدا یاد دلاتا ہوں۔" حصین نے کہا آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے اہل بیت کون ہیں اے زید! کیا آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی بیبیاں اہل بیت نہیں ہیں؟ زید نے کہا بیبیاں بھی اہل بیت میں داخل ہیں لیکن اہل بیت وہ ہیں جن پر زکوۃ حرام ہے۔ (صحیح مسلم: ۶۲۲۵)

سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ: آپ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے چچازاد بھائی اور داماد ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ فاتح خیبر ہیں اور "ابوتراب" کی کنیت سے مشہور ہوئے، آپ رضی اللہ عنہ کی ولادت کعبہ میں ہوئی۔ غزوہ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ غزوہ تبوک کے موقعہ پر حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا اور آپ کو مخاطب کر کے فرمایا: تم میرے لیے ایسے ہو جس طرح کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھے مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ ہجرت کی رات آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ان کو اپنا نائب مقرر کیا اور ۳۵ ہجری میں مسلمانوں کے خلیفہ مقرر ہوئے، آپ رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو دارالخلافہ بنایا جہاں ۲۱ رمضان ۴۱ ہجری میں آپ رضی اللہ عنہ عبدالرحمٰن ابن ملجم ملعون کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ آپ رضی اللہ عنہ عراق کے شہر نجف اشرف میں مدفون ہیں۔

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا: سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے متعلق حضور انور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ: فَاطِمَةُ بُضۡعَةٌ مِّنِّیۡ فَمَنۡ اَغۡضَبَهَا اَغۡضَبَنِیۡ۔ (صحیح البخاری: ۳۰۹۳)۔ ترجمہ: فاطمہ میرے بدن کا ٹکڑا ہے۔ جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ: آپ رضی اللہ عنہ کی ۱۵ رمضان المبارک ۳ ہجری میں ولادت ہوئی۔ آپ حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے نواسے، حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور حضرت سیدۃ النساء سیدۃ

کائنات فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی شان، فضیلت اور منقبت میں بے شمار احادیث بیان ہوئی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ بے حد سخی تھے۔ آپ نے تین بار اپنا آدھا آدھا مال اللہ تعالی کی راہ میں صدقہ و خیرات فرما دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا یوم وفات و شہادت ۵ ربیع الاول ۴۹ہجری ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ: نواسۂ رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ، جگر گوشۂ بتول رضی اللہ عنہا، نوجوانانِ جنت کے سردار، کربلا کے قافلہ کے سالار، حق و صداقت کے علم بردار، سبطِ رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ، حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے چہیتے نواسے، شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سیدۃ النساء اہل الجنۃ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے عظیم فرزند اور دوسرے صاحبزادے ہیں۔ ابو عبداللہ آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت، سید، طیب، مبارک، سبط النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ، ریحانۃ النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ آپ رضی اللہ عنہ کے القابات ہیں۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے تقریباً سات سال تک سرور کونین صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی۔ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما سے غیر معمولی محبت و شفقت فرماتے تھے۔ امام عالی مقام سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بے حد فیاض، نہایت متقی، عبادت گزار اور کثرت کے ساتھ نیک عمل کرنے والے تھے۔ سخاوت، مہمان نوازی، غرباء پروری، اخلاق و مروت، حلم و تواضع اور صبر و تقویٰ آپ رضی اللہ عنہ کی خصوصیات حسنہ تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کو نماز سے بے حد شغف تھا۔ اکثر روزے سے رہتے۔ حج و عمرہ کی ادائیگی کا ذوق اتنا کہ متعدد حج پاپیادہ ادا فرمائے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت ۱۰ محرم الحرام ۶۱ہجری میں کربلا میں ہوئی، آپ رضی اللہ رضی اللہ عنہ کا روضہ مبارک عراق کے شہر "کربلا" میں واقع ہے۔

حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے لیے حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: یہ دونوں میرے بیٹے ہیں۔ اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر اور اس سے بھی محبت کر جو ان سے محبت کرتے ہیں۔ (سنن الترمذی: ۳۷۷۵)

نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی قرابت کی وجہ سے اہل بیت اطہار تمام مسلمانوں کے لیے قابل تعظیم و توقیر ہیں۔ علماء کرام نے اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت، عزت و توقیر کو حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی محبت و توقیر کے مترادف قرار دیا ہے۔ ان کی زندگی اور تعلیمات کو اپنے لیے مشعل راہ سمجھتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو میرے بعد میرے اہل و عیال کے ساتھ خیر کا معاملہ کرے۔ (کنز العمال: ۱۸و۱۳)

اہلِ بیت کے حقوق: جس طرح ہمارے ماں باپ، رشتہ دار اہل قرابت ہیں اسی طرح رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے اہل بیت کے حقوق ہیں ان میں سے کچھ حقوق درج ذیل ہیں: ۱۔ ان حضرات سے محبت رکھی جائے۔ ۲۔ ان حضرات کی اطاعت کی جائے۔ ۳۔ ان کے عادل ہونے کا اعتقاد رکھا جائے۔ ۴۔ ان کے محبین سے محبت اور مبغضین سے بغض رکھا جائے۔

ہمیں چاہیے کہ اہل بیت سے محبت کریں ان کی سیرت کو اپنا مشعل راہ بنائیں اور ان کے نقش قدم پر چلیں تاکہ قیامت کے دن رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا قرب اور شفاعت نصیب ہو اور دینی و دنیوی زندگی کو کامیاب کر سکیں۔

سرگرمی برائے طلبہ و طالبات	مناقب اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم پر تقریری نشست کا اہتمام کروائیں۔ باہمی مذاکرہ کے ذریعے مناقب اہل بیت کے نکات مرتب کریں۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

۱۔ حدیث کی روشنی میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی اہل بیت اطہار سے محبت و عقیدت پر روشنی ڈالیں۔

۲۔ امہات المؤمنین کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

۱۔ مناقب کے معنی و مفہوم تحریر کریں۔

۲۔ اہل بیت سے مراد کون ہیں۔

۳۔ اہل بیت کے حقوق تحریر کریں۔

۴۔ حدیث الکساء کی روشنی میں اہل بیت اطہار کے اسماء گرامی تحریر کریں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے "✓" کا نشان لگائیں:

۱۔ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی ازواج مطہرات کو قرآن کریم میں کہا گیا ہے:

(الف) امہات المومنین (ب) امہات المسلمین

(ج) اخوات المومنین (د) سیدات المسلمین

۲۔ اہلِ بیت کے لغوی معنی ہیں:

(الف) بیت لکھنے والے (ب) شاعری کرنے والے

(ج) گھر والے (د) ایمان والے

ہدایات برائے اساتذہ کرام

طلبہ وطالبات کو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے اہل بیت اور قرابت داروں کی شان میں آیت مباہلہ (سورۃ آل عمران:۶۱) اور آیت مودۃ فی القربیٰ (سورۃ شوریٰ:۲۳) تفصیل سے بیان کریں۔

٦۔ مناقبِ صحابہ کرام اور عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم

حاصلاتِ تعلم

- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعارف اور مناقب بیان کر سکیں۔
- عشرہ مبشرہ کا مفہوم اور مناقب بیان کر سکیں۔
- روزمرہ کی زندگی میں صحابہ کرام اور عشرہ مبشرہ سے محبت اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر سکیں۔

صحابی عربی زبان کے لفظ ''صحب'' سے ماخوذ ہے، جس کے لفظی معنی 'رفاقت' کے ہیں، اصطلاح میں صحابی اس شخصیت کو کہا جاتا ہے، جس نے ایمان کی حالت میں حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے ملاقات کی ہو اور ایمان کی سلامتی کے ساتھ اس کی وفات ہوئی ہو۔

ایسی بابرکت ہستیاں جن کو صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا وہ روئے زمین پر انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد دنیا کے باقی تمام لوگوں میں اعلیٰ شان اور بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔

فضائل صحابہ: حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ: طُوْبٰی لِمَنْ رَاٰنِیْ وَلِمَنْ رَاٰی مَنْ رَاٰنِیْ۔ (میزان الاعتدال للذہبی، ج۱، ص ۴۲۲) ترجمہ: اس شخص کے لیے بڑی خوشخبری ہے جس نے مجھے دیکھا، اور اس کے لیے بھی جس نے ایسے آدمی کو دیکھا جس نے مجھے دیکھا ہو۔ اس حدیث میں صحابی اور تابعی کو آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے خوشخبری سنائی ہے۔

اسی طرح حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ترجمہ: تم میں سے بہترین لوگ میرے زمانہ کے ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے، پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے۔ (صحیح بخاری، حدیث: ۶۶۹۵)

حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی ہیں جن کے ذریعے ہم تک قرآن و سنت اور پورا دین پہنچا ہے۔ ان کی قربانیوں کے ذریعے دینِ اسلام دنیا کے کونے کونے تک پہنچا۔ اس لیے ہر مسلمان پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ محبت رکھنا اور دل میں ان کی عزت و احترام رکھنا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ اپنی رضامندی کا اعلان فرمادیا، ارشاد پاک ہے: وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (سورۃ التوبہ: ۱۰۰)۔ ترجمہ: انصار، مہاجرین اور ان کے پیروکار جو ایمان میں سبقت کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے، اور وہ اس

سے راضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

مناقبِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین: جناب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ سے بابرکت صحبت کی بدولت وہ عظیم شخصیات ایسے بلند مقام تک پہنچ چکے ہیں کہ بعد والوں میں کوئی ان کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا، کیوں کہ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا اور کسی نبی سے ملے بغیر کوئی صحابی نہیں بن سکتا۔ وہ اس دور میں گزرے ہیں جس دور کو آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے "بہترین زمانہ" فرمایا ہے۔ (بخاری: ۳۶۵۱)۔

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاکباز جماعت سے دلی محبت اور عقیدت رکھنا عین ایمان ہے۔ جبکہ ان کی شان میں ادنیٰ سے ادنیٰ بے ادبی اور گستاخی کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ حضور کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کا ارشاد گرامی ہے: میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہنا کیوں کہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خیرات کرے گا تو بھی وہ ان کے ایک "مُدّ" کے برابر نہیں پہنچے گا، نہ ہی آدھے مُدّ کے برابر (بخاری: ۳۶۷۳/ مسلم: ۲۲۲)۔ ایک مُدّ (صاع کے چوتھے حصے کو کہا جاتا ہے جو ۷۹۶.۰۶۸ گرام کا ہوتا ہے)۔

عشرہ مبشرہ

عربی زبان میں "عَشَرَةٌ" کے معنی دس ہے، جبکہ "مُبَشَّرَةٌ" لفظ بشارۃ سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں: بشارت دیا ہوا، "عشرہ مبشرہ" سے مراد: وہ دس جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں جن کو حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے دنیا میں ہی جنت کی بشارت فرمائی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے ایک مرتبہ فرمایا: اَبُوْبَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ، وَعُمَرُ فِي الْجَنَّةِ، وَعُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ، وَعَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ، وَطَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ، وَالزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ، وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ، وَسَعْدٌ فِي الْجَنَّةِ، وَسَعِيْدٌ فِي الْجَنَّةِ، وَاَبُوْعُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِي الْجَنَّةِ۔ (سنن ترمذی، حدیث: ۳۷۴۷) ترجمہ: ابو بکر جنت میں ہو گا، عمر جنت میں ہو گا، عثمان جنت میں ہو گا، علی جنت میں ہو گا، طلحہ جنت میں ہو گا، زبیر جنت میں ہو گا، عبد الرحمٰن بن عوف جنت میں ہو گا، سعد جنت میں ہو گا، سعید جنت میں ہو گا، ابو عبیدہ بن الجراح جنت میں ہو گا۔ یہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنتی ہیں۔ ان سب کا مختصر اجمالی تذکرہ درج ذیل ہے:

۱۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ: آپ کا نام عبد اللہ بن ابی قحافہ ہے، مرد حضرات میں آپ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ وہ شخصیت ہیں جن کے والد، اولاد اور بیوی تمام صحابہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے سفر و حضر کے ساتھی، اور یار غار ہیں۔ سفر معراج کی تصدیق کرنے کی وجہ سے "صدیق" کہلائے، امت کے پہلے خلیفہ راشد ہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے ۱۳ ہجری میں ۶۳ برس کی عمر میں مدینہ منورہ میں رحلت فرمائی اور روضہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ میں مدفون ہیں۔

۲۔ حضرت عمر فاروق بن الخطاب رضی اللہ عنہ: حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی دعا سے آپ رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے، حق و باطل میں فرق کرنے کی وجہ سے "فاروق" کہلائے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید جمع کروایا۔ اسلام کے دوسرے خلیفے بننے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے اسلامی ریاست کو مضبوط کیا اور فلاحِ انسانیت کے کام کیے، مسجد الحرام اور مسجد النبوی کو کشادہ کروایا۔ دس برس خلیفہ رہنے کے بعد ابولؤلؤ فیروز مجوسی کے ہاتھوں شہید ہوئے اور روضہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ میں مدفون ہیں۔

۳۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر اسلام قبول کیا۔ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی دو شہزادیاں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما یکے بعد دیگرے آپ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں ہونے کی وجہ سے (ایک کی رحلت کے بعد دوسرا نکاح کیا) "ذوالنورین" کہلاتے ہیں۔ جبکہ دین کے لیے اپنا مال خرچ کرنے کی وجہ سے "غنی" کہلائے۔ آپ رضی اللہ عنہ ناشر القرآن اور اسلام کے تیسرے خلیفہ راشد ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے لیے بئرِ رومہ خرید کر وقف فرمایا، اور کئی مواقع پر مالی امداد فرمائی۔ آپ رضی اللہ عنہ بے حد حیادار اور رحم دل شخصیت کے مالک تھے، آپ رضی اللہ عنہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے اپنے گھر میں ۱۸ ذوالحج ۳۵ ہجری میں شہید کر دیے گئے۔ اور جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

۴۔ حضرت علی المرتضیٰ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ: آپ رضی اللہ عنہ نے بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول فرمایا، جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے چچازاد بھائی اور داماد ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ فاتح خیبر ہیں اور "ابوتراب" کی کنیت سے مشہور ہوئے، آپ رضی اللہ عنہ کی ولادت کعبہ میں ہوئی۔ غزوہ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ ۳۵ ہجری میں مسلمانوں کے خلیفہ مقرر ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو دارالخلافہ بنایا جہاں ۲۱ رمضان ۴۱ ہجری کو آپ رضی اللہ عنہ عبد الرحمٰن ابن ملجم ملعون کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ آپ رضی اللہ عنہ عراق کے شہر نجف اشرف میں مدفون ہیں۔

۵۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ: آپ رضی اللہ عنہ سابقین اولین فی الاسلام میں سے ایک ہیں۔ آپ جود وسخا اور فیاضی کی وجہ سے طلحۃ الخیر اور طلحۃ الفیاض کے لقب سے مشہور ہیں۔ بدر کے موقعہ پر حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ان کو حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ قریش کے قافلہ کی خبر گیری کے لیے روانہ فرمایا تھا۔ اس کے بعد تمام غزوات میں شامل رہے، ۳۶ھ میں جنگ جمل کے موقعہ پر شہید ہوگئے اور بصرہ عراق میں مدفون ہیں۔

۶۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ: آپ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں، آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت صفیہ بنت عبد المطلب ہیں اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا آپ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ بے حد شجاع اور دلیر تھے، اسلام کے لیے سب سے پہلے تلوار چلائی، ”حواری رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ“ کے لقب سے مشہور ہیں۔ حبشہ اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ جنگ جمل کے بعد بصرہ کے قریب عمرو بن جرموز کے ہاتھوں شہید ہوگئے اور بصرہ عراق میں مدفون ہیں، رحلت کے وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر ۶۷ برس تھی۔

۷۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ: آپ رضی اللہ عنہ سابقین اولین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شامل ہیں، ابتدا میں عبد الکعبہ یا عبد عمرو کے نام سے موسوم تھے، جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے آپ رضی اللہ عنہ کا نام عبد الرحمٰن رکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دو ہجرتیں فرمائیں، اور مدینہ منورہ میں حضرت سعد بن ربیع انصاری کے مواخاتی بھائی بنے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہ کے پیشہ تجارت میں بے حد برکت دی تھی، صدقہ خیرات اور راہ حق میں دل سے خرچ کرتے تھے۔ ۳۲ھ میں ۷۵ برس کی عمر میں رحلت فرما گئے اور جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

۸۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ: آپ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام مالک تھا اس لیے سعد بن مالک کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ ۱۷ برس کی عمر میں اسلام لائے اور سابقین اولین میں شمار ہوتے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کو بدلہ لینے اور جوابی کاروائی کی اجازت نہ تھی تاہم آپ رضی اللہ عنہ نے اونٹ کے شانے کی ہڈی سے ایک مشرک کا سر پھوڑنے والے پہلے شخص ہیں، آپ رضی اللہ عنہ ماہر تیر انداز تھے، غزوہ اُحد میں جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے انھیں فرمایا: یَا سَعۡدُ ارۡمِ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي۔ (صحیح بخاری، کتاب المغازی: ۴۰۵۹) میرے ماں باپ تجھ پر قربان، سعد! تیر پھینکتے رہو۔ آپ رضی اللہ عنہ عظیم فاتح اور بڑے جرنیل تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں آپ رضی اللہ عنہ نے ایران فتح کیا۔ اور چین کے شہر گوانگزو

۹۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ: آپ رضی اللہ عنہ کے والد زید اسلام سے قبل بھی دین حنیف کے پیروکار تھے اور کفریہ و مشرکانہ عقائد کے ساتھ ہر قسم کے فسق و فجور سے دور رہتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ابتدائے اسلام میں ایمان قبول کیا اور پھر ان کی زوجہ حضرت فاطمہ بنت خطاب (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن) نے بھی اسلام قبول کیا جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سختی کی تھی۔ غزوہ بدر میں آپ رضی اللہ عنہ قریش کے قافلہ کا تعاقب کرنے کے لیے نکلے تھے، بقیہ تمام غزوات اور جنگوں میں شامل رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ پہلے مسلمان ہیں جو دمشق کے گورنر بنے، آخر عمر میں آپ رضی اللہ عنہ نے زہد و قناعت پسندی کی وجہ سے مدینہ منورہ کے قریب وادی عقیق میں سکونت اختیار کی اور وہیں رحلت فرمائی اور مدینہ منورہ میں مدفون ہیں۔

۱۰۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ: آپ رضی اللہ عنہ کا نام عامر بن عبداللہ بن جراح ہے، آپ رضی اللہ عنہ کے والد چونکہ ان کے ہاتھوں حالت کفر میں قتل ہوئے، اس لیے آپ رضی اللہ عنہ اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں، جناب رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے آپ کو "امین ھٰذہ الامۃ" (اس امت کا امین) لقب عطا فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہ تمام غزوات اور اہم مواقع میں شامل رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دمشق، شام و فلسطین کی فتح میں بے حد جدوجہد کی، بعد میں آپ رضی اللہ عنہ شام کے گورنر مقرر ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نہایت سادگی پسند اور قانع تھے۔ ۱۸ھ کو طاعون کی وبا سے دمشق کے قریب جابیہ مقام پر رحلت فرمائی اور وہاں ہی مدفون ہیں۔

سرگرمی برائے طلبہ و طالبات	مناقب صحابہ کرام و عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم پر تقریری نشست کا اہتمام کروائیں یا ہم اپنی روزمرہ کی عملی زندگی میں کیا استفادہ کرسکتے ہیں۔ باہمی مذاکرہ کے ذریعے نکات مرتب کریں۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

۱۔ مناقب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مضمون تحریر کریں۔

۲۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل بیان کریں۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

۱۔ صحابی کے لفظی واصطلاحی معنی تحریر کریں۔

۲۔ عشرہ مبشرہ کے لفظی معنی بتائیں۔

۳۔ عشرہ مبشرہ کے نام تحریر کریں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے "✓" کا نشان لگائیں:

۱۔ عشرہ مبشرہ کے معنی ہیں:

(الف) دس دوست (ب) دس ساتھی

(ج) دس عمل (د) خوشخبری سنائے جانے والے دس آدمی

۲۔ صحابی وہ ہے جس نے ایمان کی حالت میں حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے:

(الف) ملاقات کی ہو (ب) تجارت کی ہو

(ج) دوستی کی ہو (د) مواخات کی ہو

۳۔ حدیث شریف میں سب سے بہتر زمانہ قرار دیا گیا ہے:

(الف) موجودہ زمانہ کو (ب) حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے زمانہ کو

(ج) بعثت سے قبل کے زمانہ کو (د) آخرت کے زمانہ کو

ہدایات برائے اساتذہ کرام

طلبہ وطالبات میں سے ہر ایک شاگرد سے مرد، عورتوں، بچوں اور بوڑھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مناقب سے متعلق مضامین تیار کروائیں، جس میں ان کی علمی خدمات کو بھی واضح کیا گیا ہو، اس کے لیے ان کو انٹرنیٹ سے مدد لینے کی تربیت دی جائے۔

علم کی اہمیت و فضیلت

حاصلاتِ تعلم

- علم کے معنی و مفہوم بیان کر سکیں۔
- علم کی اہمیت و فضیلت و افادیت سمجھ کر روزمرہ کی عملی زندگی میں استفادہ کر سکیں۔

علم کے معنی و مفہوم: "علم" کے لغوی معنی جاننے اور آگاہ ہونے کے ہیں۔ جبکہ تعلیم کا لفظ دوسروں کو علم دینے اور سکھلانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اصطلاح میں "انسان کا حواس خمسہ اور عقل کے ذریعے کسی چیز کی حقیقت کو جاننے کا نام علم ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر بے شمار انعامات و احسانات ہیں اور انسانوں کے اوپر جو خاص نعمتیں اور نوازشیں ہیں، ان میں سے علم کا عطا کرنا سب سے بڑی نعمت اور احسان ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بعد سب سے پہلے جو چیز آپ کو عطا ہوئی وہ علم تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ (سورۃ البقرہ:۳۱) ترجمہ: اور اللہ نے آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے۔

علم کی اہمیت و فضیلت: رب کائنات نے انسان کو اشرف المخلوقات قرار دے کر اسے علم و عقل سے نوازا۔ علم کے ذریعے ہی انسان کے لیے ساری کائنات مسخر کر دی گئی۔ علم ہی کی وجہ سے انسان کو تمام باقی مخلوقات پر شرف حاصل ہے۔ علم ہی انسان کے لیے عظمت و شرف کی بنیاد ہے اور سربلندی کا ذریعہ ہے۔ علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ وہ عالم الغیب، علام الغیوب اور علیم بذاتِ الصدور جیسی صفات رکھتا ہے۔ تمام مخلوق کو اس کی ضرورت کا علم عطا کرنے والی ذات بھی وہی ہے۔ جس زمانہ میں عرب میں اسلام کا آغاز ہوا، دنیا علم کی اہمیت سے ناواقف تھی، اسلام نے علم کی قدر و قیمت بتائی اور لوگوں کو تحصیل علم کی رغبت دلائی۔ علم اور اہلِ علم کی فضیلت کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ترجمہ: تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جن کو علم عطا کیا گیا، اللہ ان کے درجے بلند کر دیں گے۔ (سورۃ المجادلۃ:۱۱) یہاں بلندی درجات میں علم کو ایمان کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ترجمہ: اور دعا کیجیے: اے میرے پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما دیجیے۔ (سورۃ طٰہٰ:۱۱۴) ارشاد باری تعالیٰ ہے ترجمہ: کہو بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ پس نصیحت تو وہی حاصل کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔ (الزمر:۹)

علم اور اہل علم کی فضیلت میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ (سنن ترمذی، حدیث: ۲۶۸۲) ترجمہ: اہل علم ہی انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ: ایک سمجھ والا عالم، شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۲۲)۔ آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ (سنن ابن ماجہ: ۲۲۴) ترجمہ: علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد اور عورت) پر فرض ہے۔

علم واخلاق کے زیر سایہ اگر بہتر تربیت کا اہتمام ہو تو انسان میں اچھے برے کی تمیز، صحیح اور غلط کا امتیاز، خالق ومالک کی پہچان، اس کی مخلوق سے محبت، ہمدردی اور خیر خواہی جیسی صفات پیدا ہوتی ہیں اور وہ سیرت وکردار کے اعتبار سے باوقار اور کارآمد فرد بن جاتا ہے اس لیے اسلام میں علم حاصل کرنا فرض شمار کیا گیا ہے۔ جب کہ اپنے ماتحتوں، اولاد اور اہل خانہ کی اخلاقی تربیت کی ذمہ داری بھی ہمارے اوپر لازم کی گئی ہے۔ اس لیے علم واخلاق کو ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم تصور کیا جاتا ہے بلکہ اخلاقی ودیگر تمام تر صفات کی بنیاد علم ہے جسے ہر صورت فوقیت دینا ایک مسلمان کا پہلا فریضہ ہونا چاہیے۔

سرگرمی برائے طلبہ وطالبات

طلبہ وطالبات سے درج ذیل عنوان پر نوٹ تحریر کروائیں:

- حدیث شریف میں اہل علم کے اوصاف
- حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ بحیثیت معلم

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوال کا تفصیلی جواب تحریر کریں:

۱۔ علم کی اہمیت وفضیلت وافادیت پر مضمون تحریر کریں۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

۱۔ علم کے معنی اور مفہوم کیا ہیں؟

۲۔ علم کی اہمیت سے متعلق قرآنِ کریم کی کوئی ایک آیت اور اس کا ترجمہ بیان کریں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوال کے درست جواب کے سامنے "✓" کا نشان لگائیں:

۱۔ حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا ارشاد پاک ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں:

(الف) علماء کرام (ب) اولیاء کرام

(ج) اساتذہ کرام (د) طلباء کرام

ہدایات برائے اساتذہ کرام

اساتذہ کرام کو چاہیے کہ وہ طلبہ وطالبات سے درج ذیل عنوان پر مضمون تحریر کروائیں:

- علم کی اہمیت وفضیلت
- علم اور اہل علم کی فضیلت

اسلام میں خاندان کی اہمیت

حاصلاتِ تعلم

- اسلام میں خاندان کی اہمیت وافادیت واضح کر سکیں۔
- خاندان کے باہمی حقوق بیان کر سکیں۔
- روزمرہ کی عملی زندگی میں ادائیگی حقوق کی کوشش کر سکیں۔

خاندان کے معنی و مفہوم: ”خاندان“ فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے لفظی معنی گھرانہ، کنبہ، قبیلہ، بال بچے، حسب نسب کے ہیں۔ ایک ہی نسل کے قریبی رشتہ داروں کا مجموعہ عائلی (خاندانی) زندگی کا مفہوم ہے۔ انسان کی فطرت وطبیعت میں یہ بات شامل ہے کہ وہ اکیلے نہیں رہ سکتا بلکہ گھر، محلہ، گاؤں اور شہر بسا کر اکٹھے رہتا ہے، خاندان کے اہم عناصر ماں باپ، میاں بیوی اور اولاد بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ آہستہ آہستہ وسعت اختیار کر کے دادا، دادی، نانا، نانی، چچا، چچی، پھوپھا، پوپھی، خالو، خالہ، ماموں مامی، اور ان کی اولاد یہ رشتے مل کر ایک کنبہ یا خاندان بناتے ہیں۔ خاندانی زندگی انسان کی تمدنی زندگی کی سب سے پہلی کڑی ہے، لیکن انسان اپنی سماجی فطرت کی وجہ سے اپنے خاندان، رشتہ داروں اور دیگر انسانوں کے بغیر آرام و اطمینان والی زندگی گزار نہیں سکتا۔ گویا خاندان معاشرے کا بنیادی جزو ہے۔

خاندان کا آغاز اور معاشرتی ضرورت و اہمیت: خاندان اور کنبہ سے ہی معاشرتی زندگی کی شروعات ہوتی ہے۔ خاندان کی ابتدا مرد و عورت (شوہر اور بیوی) کے باہمی نکاح سے شروع ہوتی ہے۔ اسی بنا پر اسلام دونوں مرد و عورت کو مساوی اہمیت دیتا ہے۔ ہر ایک کا دائرہ متعین ہے، اسلام ہر ایک کے حقوق و فرائض کی ادائیگی پر تلقین و تاکید کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ترجمہ: اے لوگو! بے شک ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ (سورۃ الحجرات: ۱۳)

انسانوں کے علاوہ خاندان اور رشتوں ناطوں کا تصور کسی بھی مخلوق میں موجود نہیں، یہ شرف اشرف المخلوقات انسان کو حاصل ہے کہ وہ گھر میں ماں، باپ، دادا، دادی، بہن، بھائیوں اور اولاد کی حیثیت میں عزت و احترام، پیار و محبت سے پیش آتے ہیں، مرد کما کر لاتا ہے، ان کی ضروریات کو پورا کرتا ہے، اگر ان کے درمیان اَن بَن ہو جائے تو خوش دلی سے ان کا تصفیہ کراتا ہے، یہ تمام چیزیں ایک خاندان کی بدولت ظاہر ہوتی ہیں اس لیے اسلام نے خاندان کو سماج اور صالح معاشرہ کی زینت بنایا ہے۔

میاں بیوی کا رشتہ: انسانیت کی بقاء اور نسل انسانی کا وجود مرد و عورت کے باہمی تعلق سے ہے اور انسانوں کے باہمی تعلقات میں میاں بیوی کے رشتہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے، جانبین کے والدین کی رضامندی کے بعد ایجاب و قبول اور نکاح کے اعلان سے رشتہ قائم ہوتا ہے، اور اس سے عظیم مصالح اور منافع وابستہ ہیں۔ نکاح ہی اچھے خاندان اور پاکیزہ سماج کو جنم دیتا ہے۔ قرآن کریم نے رشتہ ازدواج کو"احصان" کا نام دیا ہے، یعنی قلعہ بند ہو کر محفوظ ہو جانا۔ در حقیقت نکاح ایک معاہدہ ہے، جس کے ذریعہ میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے زندگی کے دو ساتھی، دکھ سکھ میں شریک اور ایک دوسرے کے ہمدرد بن جاتے ہیں۔ مشکلات اور مسائل کے حل میں ایک دوسرے کے مددگار ہوتے ہیں۔ زندگی کا سکون اور قلب کا اطمینان بڑی حد تک ان کی خوشگواری اور باہمی الفت و اعتماد کے ذریعے ہوتی ہے۔ جس قدر محبت و الفت زیادہ ہوگی اسی قدر اس کا نتیجہ بھی نفع بخش ہوگا۔ نکاح نسلِ انسانی کے لیے نہ صرف بقا کا سبب ہے بلکہ اس کے ذریعہ آدمی بہت ساری غیر اخلاقی کاموں سے محفوظ رہتا ہے، اولاد پیدا ہوتے ہی ایک نئے خاندان کی ابتدا ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے زوجین کے تعلق مزید مضبوط ہو جاتے ہیں۔ دونوں طرف سے محبت و احترام بڑھ جاتا ہے۔ گھر اولاد کی وجہ سے بارونق ہو جاتا ہے۔

حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث: ۱۸۴۶) ترجمہ: نکاح والی زندگی گزارنا میری سنت ہے، پس جو بھی میری سنت سے اعراض کرے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

نکاح کے اس بابرکت رشتہ کو اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے لیے باہمی پردہ اور لباس قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ (سورۃ البقرہ: ۱۸۷) ترجمہ: وہ (عورتیں) تمھارے لیے ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔

خاندان (ازدواجی زندگی) کے مقاصد: اللہ تعالیٰ کے نزدیک عائلی (خاندانی) زندگی کا مقصد نسل انسانی کی بقا اور اس کی افزائش ہے۔ • انسان کو سکون و اطمینان ازدواجی زندگی سے ہی ملتا ہے۔ • زوجین میں باہمی محبت و الفت کا وسیلہ بنتا ہے۔ خاندانی زندگی کے راحت و سکون کا سبب بنتا ہے۔ • فریقین کو پاکیزگی کے ساتھ زندگی کی مسرتیں اور راحتیں نصیب ہوتی ہیں۔ • نسل انسانی کا تسلسل اور بقاء بھی انسانی عظمت اور شرف کے ساتھ جاری رہتا ہے۔ • اجتماعیت کا ایک خاص حلقہ وجود میں آتا ہے جن کے مفادات مشترک ہوتے ہیں جس کی بنا پر کنبہ اور معاشرہ مضبوط ہوتا ہے۔

میاں بیوی کے حقوق و فرائض: حدیث میں ہے کہ: كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ۔ (صحیح بخاری: ۲۴۰۹) ترجمہ: تم سب نگران ہو اور تم سے تمھاری نگرانی میں موجود افراد اور رعایا کے بارے میں بازپرس ہوگی۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق زوجین کے ایک دوسرے پر کچھ حقوق و فرائض مقرر کیے گئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ

بِالْمَعْرُوْفِ ۔ (البقرہ:۲۲۸) ترجمہ: اور عورتوں کا حق مردوں پر ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق مردوں کا حق عورتوں پر ہے۔ اسی طرح ان عورتوں کے حقوق میں: نان نفقہ، لباس، مکان، علاج معالجہ اور دیگر ضروریات مہیا کرنا شوہر کی ذمہ داری ہے، اپنے مالی وسائل کے اعتبار سے یہ ضروریات پوری کرے گا، بیوی کو مہر میں دی گئی رقم یا دیگر ذاتی ملکیت رکھنے اور کاروبار کرنے کا جائز حدود میں اجازت دینا۔ مرد کے فرائض میں یہ امور بھی شامل ہیں: بیوی اور گھر کے دوسرے افراد سے پیار والفت سے پیش آنا۔ اس پر ظلم وزیادتی نہ کرنا۔ عدل واحسان کا رویہ اختیار کرنا۔ ان کے حقوق شریعت کے مطابق ادا کرنا۔

بیوی کی ذمہ داری ہے کہ شوہر کی عدم موجودگی میں شوہر کے مال واسباب کی امانت کی طرح حفاظت کرے، شوہر کی اجازت کے بغیر کسی نامحرم کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دے، فرمانِ الٰہی ہے۔ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ۔ (النساء:۳۴) ترجمہ: تو جو نیک بیبیاں ہیں وہ فرمانبردار ہوتی ہیں اور ان کی پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت میں مال و آبرو کی حفاظت کرتی ہیں۔ شوہر کی آمدنی اور مالی حیثیت سے بڑھ کر خرچہ کا مطالبہ نہ کرے۔ شوہر کے گھر میں کوئی تکلیف یا تنگی دیکھے تو خوامخواہ دوسروں کو اس کی شکایت نہ کرے بلکہ درگزر اور برداشت کرے۔ شوہر یا گھر کے راز افشاں نہ کرے۔ نسب ونسل کی حفاظت اور بچوں کی نگہداشت وتربیت کرے، شوہر کی خدمت واطاعت کرے وغیرہ۔ حضور اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کا ارشاد گرامی ہے کہ: خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهٖ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث:۲۰۵۳) ترجمہ: تم میں بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہتر ہوں۔

والدین کا ادب و احترام: تمام رشتوں میں والدین کا رشتہ اہم اور قابل احترام ہے، ان ہی کی وجہ سے ہم اس جہاں میں آئے، اور ان کی دیکھ بھال اور پرورش سے ہمارے اندر قوت پیدا ہوئی، اس لیے ہمیں والدین کی خدمت اور احترام میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ ہمیں یہی حکم دیتا ہے: وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ (سورۃ الاسراء: ۲۳- ۲۴) ترجمہ: اور آپ کے پروردگار نے یہ فیصلہ فرمادیا ہے کہ تم لوگ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو، ماں باپ کے ساتھ بہتر سلوک کرو، اگر تمھارے سامنے ان دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف تک نہ کہو، اور نہ ان کو جھڑکو، ان کے ساتھ خوب ادب کے ساتھ بات کرو۔ ان کے سامنے نیازمندی سے عاجزی کے ساتھ جھکے رہو، اور دعا کرتے رہو: اے میرے رب! جیسے ان دونوں نے بچپن میں میری پرورش کی آپ ان پر اسی طرح رحم فرمائیے۔

ماں باپ اگر کافر اور مشرک ہی کیوں نہ ہوں، دنیا میں ان کا ادب واحترام کرنا، ان کی فرمانبرداری کرنا، اچھا سلوک کرنا اور خدمت کرنا لازمی امر ہے۔ ہاں اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی یا کفر و شرک اختیار کرنے کا حکم کریں تو ان سے معذرت کی

جائے گی۔ والدین کے رشتہ داروں اور دوستوں سے بھی بہتر تعلق رکھنا چاہیے، والدین کے حقوق (اولاد کے فرائض) یہ ہیں:• عزت واحترام۔ • اطاعت وفرمانبرداری۔ • حسن سلوک • والدین کے اقرباء ورفقاء سے حسن سلوک۔ • اعتراف شکر۔ • دعائے مغفرت۔

اولاد کے حقوق: خاندان کی رونق اولاد ہے اور اولاد کا مقصد بقاء نوع اور زندگی کا سبب ہے، اولاد ہونا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اولاد کے لیے باپ کے ذمے ادب سکھانا اور صحیح تربیت ہے۔، ساتھ ہی والدین پر ان کے لیے بعض دیگر ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، جن کو اولاد کے حقوق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اولاد کی اچھی پرورش، تعلیم اور اچھی تربیت کا اہتمام کرنا۔ رحمت و شفقت کرنا۔ اچھی جگہ ان کی شادی کرنا۔ وراثت میں عدل کرنا۔ • اولاد کو دین کی ضروری باتیں، قرآنِ کریم کی تعلیم اور نماز کی تربیت دینا۔ • اولاد کو اسلامی اقدار کی تعلیم دینا • اولاد کے درمیان برابری اور انصاف کا معاملہ رکھنا، بیٹیوں کو بھی بیٹوں کی طرح تحفہ تحائف اور پیار میں شریک کرنا۔ بیٹی کی پیدائش پر غمگین نہ ہونا کیوں کہ ناراضگی کا اظہار کرنا ناشکری ہے۔ • اولاد پر بے جا سختی اور تشدد سے پرہیز کرنا اور ان سے شفقت اور پیار و محبت کا رویہ رکھنا۔ • اپنی اولاد کو بھوک و تنگدستی کی وجہ سے قتل نہ کرنا۔

خاندان سے حسن سلوک: والدین کے بعد قرابت داروں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنا، بہن بھائی اور وہ رشتہ دار جو ماں باپ کے تعلق سے رشتہ دار بنتے ہیں مثلاً: دادا، دادی، نانا، نانی، ماموں، خالہ، پھوپھی، چچا، چچازاد، تایازاد، خالہ زاد، ماموں زاد ان سب کے ساتھ حسن سلوک روا رکھنے اور ان کی مالی مدد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرابت دار بلکہ ہر مسلمان کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا چاہیے، ان کو ایذا دینا حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ترجمہ: (اے محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ) لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کس طرح کا مال خرچ کریں۔ کہہ دیجیے کہ (جو چاہو خرچ کرو لیکن) جو مال خرچ کرنا چاہو وہ (درجہ بدرجہ اہل استحقاق یعنی) ماں باپ کو اور قریب کے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں اور مسافروں کو (سب کو دو) اور جو بھلائی تم کرو گے اللہ اس کو جانتا ہے (البقرہ:۲۱۵)۔

خاندان والوں کے باہمی حقوق: خاندان کا فرد ہونے کی حیثیت سے ہر ایک کے لیے لازمی ہے کہ • خاندان والوں سے حسن سلوک کرے۔ • محبت و شفقت سے پیش آئے۔ • مصیبت و پریشانی کے وقت دلجوئی کرے۔ غربت اور تنگ حالی کے وقت مالی مدد کرے۔ • خاندان کے یتیم بچوں کی پرورش اور تربیت کرے۔ • خاندان کی خوشی اور غمی میں شرکت کرے۔ • باہمی تعاون کرے (مسائل حل کرنے میں مالی، جسمانی اور نیک مشوروں کی صورت میں تعاون کرے)۔ • خاندان میں تنازعات کے وقت صلح وصفائی کرے۔

سرگرمی برائے طلبہ و طالبات

ایک گروپ موجودہ ماحول میں ان امور کی نشان دہی کریں جو خاندان کو نقصان اور تعلقات کو کمزور کر رہے ہیں۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

۱۔ اسلام میں خاندان کی اہمیت پر مضمون تحریر کریں۔

۲۔ شوہر بیوی کے حقوق و فرائض پر نوٹ تحریر کریں۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

۱۔ خاندان سے کیا مراد ہے تحریر کریں۔

۲۔ والدین کے ادب و احترام کے متعلق تحریر کریں۔

۳۔ اولاد کے حقوق تحریر کریں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے "✓" کا نشان لگائیں:

۱۔ تمام رشتوں ناطوں میں سے اہم رشتہ ہے:

(الف) ماں باپ کا　　(ب) میاں بیوی کا

(ج) بہن بھائی کا　　(د) استاد شاگرد کا

۲۔ خاندان کی خوبصورتی ہے:

(الف) افرادِ خانہ　　(ب) دولت

(ج) اولاد　　(د) وارثت

ہدایات برائے اساتذہ کرام

خاندان کی اہمیت پر تقریری مقابلہ کروائیں۔

احترامِ انسانیت

حاصلاتِ تعلم

- احترام انسانیت کا مفہوم بیان کر سکیں۔
- احترام انسانیت کی اہمیت کو سمجھ سکیں۔
- احترام انسانیت کے منافی صورتوں سے اجتناب کر سکیں۔

احترامِ انسانیت کا مفہوم: ”احترام“ کے معنی عزت اور قدر، فضیلت اور برتری کے ہیں۔ ”احترام انسانیت“ کا مطلب ہے انسان کی عزت اور بڑائی۔ انسان اشرف المخلوقات یعنی انسان زمین پر اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق ہے، اس کو دوسری تمام مخلوقات پر برتری حاصل ہے۔ یعنی اس کائنات میں ہر انسان کو عزت وفضیلت کا مرتبہ ومقام حاصل ہے۔ کسی بھی رنگ ونسل، مذہب وزبان، قوم اور ملک سے تعلق رکھنے والے ہر انسان کو دوسرے انسان کی جان، مال اور عزت کا تحفظ دینا ”احترامِ انسانیت“ کہلاتا ہے۔

احترامِ انسانیت کی اہمیت: اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوقات پر بڑا شرف اور عزت بخشی ہے۔ اس نے زمین و آسمان اور اس کے درمیان والی تمام اشیاء کو انسانوں کے فائدہ اور آسانی کی خاطر پیدا فرمائی ہیں، تمام چیزیں سب انسانوں کے لیے مشترکہ میراث ہیں۔ ہر انسان ان نعمتوں سے بہرہ ور ہو رہا ہے۔ انسانیت کے اس بڑے شرف کو قرآنِ کریم نے اس طرح بیان فرمایا ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ (سورۃ الاسراء:۷۰) ترجمہ: ہم نے اولاد آدم کو عزت بخشی ہے، ہم نے ان کو خشکی اور تری میں سواری دی ہے، ان کو پاکیزہ چیزیں رزق دی ہیں، اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت سے نوازا ہے۔

انسان کو علم وعقل اور گویائی کی نعمت ملی، جس سے وہ اپنا مافی الضمیر مناسب پیرائے میں بیان کر سکتا ہے۔ یہ نعمتیں ایسی ہیں کہ سب انسان اس میں برابر ہیں۔ اسلام رنگ ونسل، زبان اور وطن کے امتیازات کو باطل قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک بڑائی اور بزرگی کا معیار صرف تقویٰ اور اللہ تعالیٰ خوف کا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ (الحجرات:۱۳) ترجمہ: بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ اسلام سکھاتا ہے کہ دنیا کے تمام لوگ ایک ہی اصل سے ہیں۔ ترجمہ: تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی اوّل) اس سے اس کا جوڑا بنایا پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد وعورت پیدا کر کے روئے زمین پر پھیلا دیئے۔ (النساء:۱)

قرآن مجید نے انسان کو اس کے صحیح منصب سے آگاہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین پر خلیفہ اور نائب بنایا ہے اس کو اس کی ذمہ داریوں کی اصل حیثیت سے آگاہ کر کے اسے بہت سے باطل معبودوں کی غلامی سے آزاد کر دیا اور اسے ذمہ دار اور باوقار بنا دیا، اسے بتایا گیا ہے کہ وہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہے، کسی کو کسی پر سوائے ایمان، علم اور تقویٰ کے کوئی فضیلت نہیں ہے۔ ان تمام آیات مبارکہ میں عمومی طور پر مجرد انسان کو ہی حیثیت دی گئی ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم۔

انسانیت اور دورِ جہالت: اسلام سے پہلے والے زمانہ کو "دورِ جہالت" کہا جاتا ہے، اس دور میں انسانیت کا احترام تقریباً لوگوں کے اندر سے ختم ہو چکا تھا۔ لوگ پتھروں، درختوں، دریاؤں، سمندروں، سورج، چاند، ستاروں اور دیگر طاقتور چیزوں کو محترم اور لائقِ عزت سمجھتے تھے۔ ان بے جان اور بے اصل چیزوں کو دیوتا مان کر ان کی پرستش کرتے، ان کے سامنے منتیں مانتے اور جانور لا کر نذر کے طور پر قربان کرتے، بعض مشرکین تو ان دیوتاؤں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اپنی اولاد تک ان کے سامنے قربان کر دیتے تھے۔

اسلام نے ایسے باطل خیالات اور رسومات کو رد کیا، ایک طرف انسانوں کو انسانیت کے احترام کا درس دیا اور دوسری طرف بڑائی، تکبر اور خود پسندی جیسی خصلتوں کو برا ٹھہرایا، حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے لوگوں میں یہ پیغام عام کیا کہ: اے انسانو! تم سب ایک ہی باپ کی اولاد ہو، جس کی پیدائش مٹی سے ہے، اس لیے تم میں سے بعض انسانوں کا اپنے آپ کو بڑا اور اونچا سمجھنا اور تکبر کرنا نہایت ناسمجھی اور جہالت کی بات ہے۔ (مسند احمد، حدیث: ۲۳۴۸۹)

احترامِ انسانیت کے منافی اشیاء: انسان پرہیزگاری اور حسنِ خلق کی وجہ سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے اور ایسی بہت سی صفات اور عادات / باتیں ہیں جو احترامِ انسانیت کے منافی ہیں جن میں سے چند کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:

- تکبر (نخوت و کبر) اللہ تعالیٰ یا مخلوق کے سامنے خود کو فکری، علمی، مالی یا نسبی اعتبار سے قابلِ فخر سمجھنا۔
- لوگوں کو حقیر سمجھنا، ان سے تمسخرانہ یا ہتک آمیز رویہ اختیار کرنا، اور الزام بازی کرنا۔
- لوگوں سے ظلم و زیادتی یا غیر منصفانہ طرزِ عمل کا مظاہرہ کرنا۔ ان کی عیب جوئی اور تجسس بازی کی کوشش کرنا۔
- اولاد میں چھوٹے بڑے، عقلمند، ناسمجھ یا بیٹے اور بیٹی کی بنیاد پر غیر مساوی سلوک کرنا۔
- کسی انسان کی جسمانی یا عملی کوتاہی کی بناء پر اسے طعن و تشنیع کرنا، برے القاب سے پکارنا یا اس کی کسی بھی قسم کی بے توقیری اور بے عزتی کرنا۔
- ایک دوسرے سے بد اخلاقی، بدکلامی، یا ناشائستہ اندازِ گفتگو کا مظاہرہ کرنا۔

سرگرمی برائے طلبہ و طالبات

- طلبہ اپنے ماحول میں روزمرہ کی عملی زندگی میں احترام انسانیت کا کوئی اپنا واقعہ سنائیں۔
- احترام انسانیت کے منافی اعمال۔ باہمی مباحثہ کے بعد نکات کی صورت میں تحریر کریں۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جواب تحریر کریں:

۱۔ احترام انسانیت پر دس نکات تحریر کریں۔

۲۔ احترامِ انسانیت سے متعلق قرآنِ کریم کیا حکم دیتا ہے؟

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں:

۱۔ احترام انسانیت کا مفہوم تحریر کریں۔

۲۔ احترام انسانیت کی منافی صورتیں تحریر کریں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے "✓" کا نشان لگائیں:

۱۔ اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں احترامِ انسانیت تھا:

(الف) زیادہ　　(ب) کم

(ج) ختم　　(د) بہتر

۲۔ تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو:

(الف) زیادہ تقویٰ والا ہو　　(ب) زیادہ مرتبے والا ہو

(ج) زیادہ علم والا ہو　　(د) زیادہ دولت والا ہو

ہدایات برائے اساتذہ کرام

اساتذہ کرام طلبہ اور طالبات کو کچھ ایسی شخصیات کے بارے میں معلومات فراہم کریں جو احترام انسانیت کے حوالے سے پہچانی جاتی ہیں مثلاً: عبدالستار ایدھی کا یتیموں اور محتاجوں کی دیکھ بھال کرنا۔

عدل اجتماعی

حاصلاتِ تعلم

- عدل اجتماعی کا مفہوم اور اسلام میں تصور بیان کر سکیں۔
- عدل اجتماعی کی اہمیت اور اثرات بیان کر سکیں۔
- دورِ حاضر میں عدل اجتماعی کی ضرورت اور صورتیں بیان کر سکیں۔
- عدل اجتماعی کے فوائد (عادلانہ معاشرے کا قیام) بیان کر سکیں۔

عدل اجتماعی کا مفہوم: عدل عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے لغوی معنی ہیں سیدھا کرنا، برابری کرنا۔ دو چیزوں کے درمیان موازنہ کرنا۔ دو حالتوں میں توسط اختیار کرنا۔ اصطلاح میں عدل کا مفہوم بہت وسیع ہے کسی چیز کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرنا اس طرح کہ دونوں میں کمی بیشی نہ ہو۔ کسی چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھنا۔ یعنی قول و عمل میں سچائی کی میزان کو کسی ایک طرف جھکنے نہ دینا، وہی کام کرنا چاہیے اور وہی بات کہنی چاہیے جو سچائی کی کسوٹی پر پوری اترے۔ نیز ہر شخص کے ساتھ بلا رو رعایت معاملہ کیا جائے جس کا وہ مستحق ہے۔ عدل کے مقابلے میں "ظلم" آتا ہے، یعنی کسی چیز کو بے محل و موقع رکھنا۔ ایک ظالم کرنے کے ساتھ "عدل" یہ ہے کہ اسے ظلم سے نجات دلائی جائے۔

عدل کی اہمیت: اسلام امن و سلامتی کا دین ہے وہ دنیا کے لیے رحمت بن کر آیا ہے۔ اس نے ایک ایسے ضابطہ حیات کو مرتب کیا ہے جس پر عمل پیرا ہو کر انسان زندگی کی حقیقی مسرتوں سے ہم کنار ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں اسلام نے عملی زندگی کے لیے سب سے زیادہ "عدل" پر زور دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ معاشرہ کی ہر طرح کی بے چینی اور خرابی کی اولین وجہ "عدل" سے انحراف ہے۔ معاشرہ میں خرابی اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب اس کے افراد "عدل" کو چھوڑ دیں۔ اسلام نے عدل کے متعلق تمام پہلوؤں میں رہنمائی فرمائی ہے چاہے عدل اجتماعی ہو یا انفرادی، معاشی ہو یا معاشرتی، قانونی ہو یا سیاسی۔

عدل ہی معاشرے کے بہتر نظام کا ضامن ہے، اسلامی معاشرتی زندگی کا بھی یہی تقاضا ہے کہ لوگوں کے درمیان اور زندگی کے ہر شعبہ میں عدل و انصاف کو فروغ دیا جائے۔ قرآن کریم میں ارشاد پاک ہے ترجمہ: بے شک اللہ انصاف کرنے کا اور بھلائی کرنے کا اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم کرتا ہے اور بے حیائی اور بری بات اور ظلم سے منع کرتا ہے، تمھیں سمجھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔ (سورۃ النحل:۹۰)

اس آیت کے نازل ہونے کا مقصد یہی ہے کہ تمام انسان اپنی اجتماعی زندگی میں عدل و انصاف کے ساتھ رہیں، ظلم و زیادتی کو ختم کریں تاکہ ان کی معاشرتی زندگی امن و سکون کا گہوارہ بن جائے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے ترجمہ: اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو، بے شک اللہ تمھیں بڑی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے، یقیناً اللہ خوب سننے دیکھنے والا ہے۔(سورۃ النساء:۵۸)

"اور جب لوگوں کے درمیان تم فیصلہ کرنے لگو۔" کا مطلب ہے کہ فیصلہ کرنے والے کے لیے دونوں فریق برابر ہونے چاہییں، چاہے وہ دوست ہوں یا دشمن، اپنے ہوں یا پرائے، مسلم ہوں یا غیر مسلم، قریبی ہوں یا دور کے،، امیر ہوں یا غریب، کسی بھی طرح کے ہوں فیصلہ کرنے والے کو غیر جانبدار ہو کر عدل و انصاف کا فیصلہ کرنا چاہیے۔

زندگی کے ہر شعبے میں "عدل" کی ضرورت ہے، خواہ اس کا تعلق ہماری اپنی ذات سے ہو یا مخلوق سے، اپنی ذات کے ساتھ عدل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے لیے لباس، خوراک، آرام وغیرہ کا مناسب انتظام کیا جائے۔ مخلوق سے عدل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے حقوق پوری پوری طرح ادا کیے جائیں اور ان میں کسی طرح کی بھی کوتاہی نہ کی جائے

عدل کی اقسام:(۱)عدل انفرادی (۲)عدل اجتماعی

عدل انفرادی: انسان اپنی انفرادی ذاتی زندگی میں اعتدال کا لحاظ رکھے چاہے جسمانی (کھانے پینے، سونے، خوشی، غمی وغیرہ) زندگی ہو یا روحانی (عبادات) زندگی، یا دنیاوی معاملات ہوں یا معاشی (کسب مال) زندگی ہو۔ ہر حال میں عدل / اعتدال اور توازن کو ملحوظ رکھا جائے۔

عدل اجتماعی: انسانی معاشرے میں انصاف یعنی معاشرہ کے افراد میں مساوات ہو اور ہر ایک کو اپنے حقوق حاصل ہوں۔

عدل اجتماعی کی چند صورتیں درج ذیل ہیں:

قانونی مساوات: معاشرے میں قانونی مساوات کا ہونا یعنی قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور قانون کو سب پر بالادستی حاصل ہو اس میں امیر ہو یا غریب، افسر ہو یا ماتحت، دوست ہو یا دشمن، اپنا معاملہ ہو یا دوسرے کسی کا، چھوٹا ہو یا بڑا کی کوئی تمیز نہ ہو۔

معاشی امور اور عدل اجتماعی: اسلام کے اقتصادی نظام میں ہر شخص اپنی صلاحیت اور پسند کے مطابق جائز ذریعہ معاش اختیار کرنے میں آزاد ہے۔ روزی کمانے کا کوئی جائز ذریعہ مثلاً: تجارت، زراعت، صنعت، ملازمت وغیرہ کسی شخص کے لیے ممنوع نہیں ہیں۔ روزی حاصل کرنے کے جتنے وسائل ہیں ان کو اللہ نے سارے بندوں کے لیے مہیا کیا ہے، اس لیے ان سے فائدہ اٹھانے کا سب کو یکساں حق حاصل ہے، اسلام کسی بے روزگار اور معذور کے لیے بنیادی ضروریات کا فراہم کرنا حکومت اور سوسائٹی کا فرض سمجھتا ہے تاکہ کوئی شخص معاشی ناانصافی کا شکار نہ ہو۔

عادلانہ معاشرے کا قیام: معاشرے میں تمام انسان بحیثیت انسان برابر ہیں۔ کسی کو کسی طبقے، خاندان، قوم یا علاقے سے تعلق رکھنے کی بنا پر فضیلت نہیں ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (الحجرات:۱۳) ترجمہ: لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھاری قومیں اور قبیلے بنائے۔ تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ نیز اسلام نے معاشرے میں تمام معاملات میں عدل کا حکم دیا ہے جس سے صالح وعادلانہ معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔

عدالتی امور میں عدل اجتماعی: اسلام نے "عدل" کا باقاعدہ نظام پیش کیا جسے "قضاء" یا "عدلیہ" کہا جاتا ہے۔ اس کی بنیاد اللہ کے رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے اپنے دور مبارک میں رکھی۔ حضور اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کو "عدل" کا اس قدر خیال رہتا تھا کہ آپ کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ جب کہیں اپنے عمال روانہ فرماتے تو ان کی انتظامی قابلیت کے ساتھ ساتھ ان کی عدالتی قابلیت کے بارے میں بھی پورا پورا اطمینان کر لیتے۔

عدل اجتماعی کے اثرات: اسلام نے "عدل" کا جو تصور پیش کیا ہے وہ آج بھی بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور جو اصول وضوابط پیش کیے ہیں وہ آج بھی اہل دنیا کے لیے مشعل راہ ہیں اور ان پر عمل پیرا ہو کر دکھی انسانیت موجودہ مصائب و آلام سے نجات پا سکتی ہے۔ • معیشت میں عدل سے پورا معاشرہ خوشحال ہو جاتا ہے۔ • معاشرے میں عدل سے کوئی فرد بنیادی ضروریات سے محروم نہیں رہتا۔ • "عدل" زندگی کے تمام شعبوں میں توازن قائم کرتا ہے۔ • انسان کی زندگی اس وقت بہتر ہو سکتی ہے جب زندگی کے تمام عناصر میں خاص توازن واعتدال ہو۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

۱۔ عدل اجتماعی کو نظر انداز کرنے سے کون سی معاشرتی برائیاں جنم لیتی ہیں؟

۲۔ آپ کی نظر میں عدل اجتماعی قائم کرنے کے لیے کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئیں؟

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

۱۔ عدل اجتماعی کے معنی اور اس کا مطلب بیان کریں۔

۲۔ قرآنِ کریم عدل اجتماعی کے بارے میں کیا رہنمائی کرتا ہے۔

(ج) مندرجہ سوالات کے درست جواب کے سامنے "✓" کا نشان لگائیں:

۱۔ عدل عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں:

(الف) انصاف قائم کرنا | (ب) لوگوں سے اچھا سلوک کرنا

(ج) کسی چیز کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرنا | (د) مظلوم کی بد دعا سے بچنا

۲۔ قرآنِ کریم میں حکم ہے عدل کرو، کیوں کہ وہ زیادہ قریب ہے:

(الف) نیکی کو | (ب) تقویٰ کو

(ج) جنت کو | (د) فرمانبرداری کو

۳۔ ملک میں عدل و انصاف قائم ہو گا تو معاشرہ بن جائے گا:

(الف) امن و سکون والا | (ب) ترقی یافتہ

(ج) عام بھلائی والا | (د) نیکی والا

ہدایات برائے اساتذہ کرام

اساتذہ کرام کو چاہیے کہ وہ طلبہ اور طالبات کو حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی سیرتِ طیبہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیاۃ طیبہ کی روشنی میں عدل اجتماعی پر مضمون تحریر کروائیں۔

عفت وحیاء

حاصلاتِ تعلم

- عفت وحیاء کا مفہوم بیان کر سکیں۔
- عفت وحیاء کی فضیلت واہمیت سمجھ سکیں۔
- عفت وحیاء کے مظاہر واضح کر سکیں۔

عفت کے معنی اور مفہوم: ”عفت“ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لفظی معنی ہیں پرہیز گاری اور پاکیزگی۔ اور عفت کا شرعی مفہوم ہے: پاک دامن رہنا، اخلاقی پاکیزگی اور نفسانی خواہشات کو قابو میں رکھ کر بے راہ روی، بدکاری اور بے حیائی جیسے کاموں سے نفس کو محفوظ رکھنا۔ اس کے ساتھ دوسرا لفظ آتا ہے ”عصمت“ کا جس کی معنی ہے پاک دامنی، بے گناہی اور عزت۔ قرآن کریم میں سچے مومن کے کئی اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ جن میں سے ایک ”عفت“ ہے کہ: وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ (المؤمنون:۵) ترجمہ: اور (کامیاب مومن وہ ہے) جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ تو ایسے انسان کو عفیف / عفیفہ عفت والا (پاک دامن) کہا جاتا ہے۔

”حیا“ کے لفظی معنی ہیں شرم اور غیرت، حیا کا مطلب ہے، انسان کے اندر ایک فطری اور اخلاقی صفت ودیعت کی گئی ہے، جس کے باعث وہ انسان خوفِ خدا کے جذبے کے تحت بے حیائی اور بداخلاقی جیسے ناشائستہ کام سے اپنے آپ کو بچالیتا ہے اور برائی سے دور بھاگنے کی کوشش کرتا ہے، تو ایسے انسان کو حیادار کہا جاتا ہے۔ انسان کی شرافت، عزت اور پاک دامنی کی بنیاد ہی حیاء پر ہے۔ جس آدمی میں یہ صفت جتنی زیادہ ہوگی وہ برائی اور گناہ کے کاموں سے اتنی زیادہ نفرت کرے گا اور احکامِ خداوندی اور اخلاقی اقدار کی پابندی کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان میں اپنے وجود کو برقرار رکھنے اور پیدائش وافزائش نسل کے لیے کچھ حیوانی اور نفسانی جذبات رکھ دیے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اسے عقل اور وحی کے ذریعے جائز اور ناجائز میں تمیز بتادی ہے۔ جسم اور روح دونوں آپس میں لازم وملزوم ہیں اور دونوں کو مناسب توجہ دے کر ان کی نشوونما کا خیال رکھنا انسان کا فرض ہے۔ اسلام بھی یہ چاہتا ہے کہ انسان اپنے جسمانی تقاضوں کو عقل ودین کے ماتحت رکھ کر زندگی بسر کرے۔ جب کوئی انسان نفسانی خواہشات کو عقل ودین کے ماتحت رکھ کر قابو میں رکھتا ہے اور روحانیت کو حیوانیت پر غالب رکھتا ہے تو اسے عفت والا کہا جاتا ہے۔ اور جب وہ ناشائستہ کاموں سے خوفِ خدا کے جذبے کے تحت گریز کرتا ہے تو اسے حیادار کہتے ہیں۔

عفت و حیا کی فضیلت و اہمیت: عفت و حیا اسلامی اخلاق کی فہرست میں روح اور جان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عفت و حیا کی تعلیم دی ہے اور اس خلق عظیم کو تمام اسلامی فضائل میں بڑا اقرار دیا ہے۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا ارشاد گرامی ہے کہ: ترجمہ: ہر دین کے کچھ اخلاق ہیں اور اسلام کا اخلاق حیاء ہے۔ (موطأ امام مالک، حدیث: ۲۶۳۴) دوسری حدیث میں ہے کہ: ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ حیادار اور پردہ پوشی کرنے والا ہے اور خود حیاء اور پردہ پوشی کو پسند کرتا ہے۔ (سنن ابی داود، حدیث: ۴۰۱۲)۔

حیاو غیرت مومن کی ایک اہم صفت ہے کیوں کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے اسے ایمان کی ایک شاخ قرار دیا ہے: والحیاء شعبۃ من الإیمان۔ (بخاری: ۹، مسلم: ۳۰) ترجمہ: اور حیاء ایمان کا ایک بڑا شعبہ ہے۔

حیا ایک ایسی صفت ہے جس کی وجہ سے انسان بڑے سے بڑے رذائل سے بچ جاتا ہے۔ جبکہ جس شخص سے یہ صفت مفقود ہو جاتی ہے تو وہ کسی شر اور گناہ کے ارتکاب کی کوئی پرواہ نہیں کرتا نہ اس کو ندامت ہوتی ہے، اس صورتحال کے پیش نظر حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ: ترجمہ: جب تم میں حیا ہی نہ رہے تو جو چاہے کرتے پھرو (سنن ابی داود، حدیث: ۴۷۹۷)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ہمارے پیارے نبی حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سب سے بڑھ کر عفت و حیاء کے پیکر تھے، آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کسی پردہ نشین عورت سے زیادہ حیادار تھے اور کوئی ناپسند چیز دیکھتے تو ہمیں اس کا احساس آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے چہرے مبارک سے ہو جاتا جبکہ فحش باتوں سے آپ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو طبعی نفرت تھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ترجمہ: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں جن میں سے حیاء بھی ایک بڑی شاخ ہے۔ (بخاری: ۹، مسلم: ۳۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ترجمہ: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: یقیناً ایمان اور حیاء کا آپس میں گہرا تعلق ہے، جب ایک جاتا ہے تو دوسرا بھی چلا جاتا ہے۔ (الادب المفرد للبخاری: ۱۳۱۳)۔ جب انسان اپنی حیا کو گم کر دیتا ہے تو وہ ایک وحشی درندے کے مانند ہو جاتا ہے اپنی خواہشات کے پیچھے دوڑتا ہے، اچھے سے اچھے جذبات کو روندتا ہے۔ وہ غریبوں کا مال غصب کرتا ہے اور اپنے دل میں رحم نہیں پاتا۔ مخلوق خدا کو مصائب میں دیکھتا ہے تو اس پر اثر تک نہیں ہوتا۔ اس کی خود پرستی نے اس کی آنکھوں پر تاریک پردہ ڈال رکھا ہے۔ جو انسان اس پستی تک پہنچ جائے تو سمجھ لیں کہ وہ انسانیت کی حدود سے باہر ہو گیا ہے۔

عفت وحیاء کے مظاہر: انسان کے عفت وحیاء کا تعلق نہ صرف اس کے کردار و عمل سے ہے بلکہ اس کی سوچ و فکر، گفتار و انداز میں بھی اس کی بڑی اہمیت ہے۔ چنانچہ ہر انسان اور خصوصی طور پر ایک مسلمان مرد و عورت کو اپنی طرز زندگی میں عفت وحیاء کو اولیت دینی چاہیے تاکہ وہ معاشرے کے باعزت کارآمد شہری اور آخرت کے لیے مستعد افراد شمار ہو، ذیل میں وہ باتیں قابل توجہ ہیں جن میں عفت وحیاء کی عکاسی ہونا لازم ہے:

گفتار: مومن کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ گالی گلوچ، بدکلامی اور ناشائستہ انداز گفتگو اپنائے، بلکہ اس کو اچھی بات کرنی چاہیے یا خاموشی اختیار کرنی چاہیے، اور نازیبا گفتگو سے بچنا چاہیے، اور فضول باتوں سے کراہت محسوس کرے یہ گفتار کی عفت وحیاء ہے۔

لباس: اسلام نے لباس کے دو مقاصد گنوائے ہیں، ایک اس میں ستر ہو دوسرا زینت بھی ہو، چنانچہ مرد و خواتین کو اپنے حیا اور پردہ کا لحاظ رکھتے ہوئے ایسا لباس اختیار کرنا چاہیے جس میں یہ مقاصد حاصل ہوں، اس اعتبار سے وہ لباس جو حیا اور پردہ داری کے خلاف یا دوسروں سے مشابہت رکھتا ہو وہ عفت وحیاء کے خلاف ہے۔

نشست و برخواست: ایک سچے مومن کو اپنی روزانہ معمولات میں ہر وقت بے حیائی اور نازیبا سرگرمیوں سے اجتناب کرنا چاہیے، قرآن کریم مومن مرد و عورت کو حکم فرماتا ہے کہ وہ اپنی نظروں کو جھکا کر رکھیں اور اپنی عفت و عصمت کی حفاظت کریں اسی طرح وہ اپنی نظر اور سوچ کو بے حیائی والی بات پر مرکوز نہ کریں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ترجمہ: وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور جو باتیں سینوں میں پوشیدہ ہیں ان کو بھی۔(الغافر:۱۹)

مجلس: انسان اپنی بعض گھڑیاں کسی مجلس، میٹنگ یا مشاورتی سرگرمی میں صرف کرتا ہے اس لیے جو بھی وقت آدمی دوسرے لوگوں کے ساتھ گزارتا ہے اس دوران بھی اس کی حرکات، سکنات، گفتگو اور انداز میں عفت وحیاء برقرار رہنا چاہیے۔

حیا کے تقاضے:

- انسان اپنی زبان کو فحش باتوں سے پاک رکھے۔ بے حیائی کی بات زبان پر نہ لائے اور بری باتوں کے اظہار سے شرمائے۔ حدیث میں ہے کہ: حیا ایمان کا حصہ ہے اور ایمان جنت میں (لے جانے والا) ہے۔ اور بدکلامی بد اخلاقی کا حصہ ہے اور بد اخلاقی جہنم میں (لے جانے والی) ہے۔(الترمذی:۲۰۰۹)
- انسان اپنے ساتھ رہنے والوں کے حقوق و مراتب پہچانے اور صاحب فضل سے اس کے علم و فضل کا احترام کرتے ہوئے اس کی آواز سے آوازِ بلند نہ کرے اور نہ اس سے آگے قدم بڑھائے، حدیث میں ہے کہ: جن سے سیکھو ان کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔

حیا کے مراتب: بعض حکماء نے حیا کے تین مراتب لکھے ہیں:

- احکام و اوامر خداوندی کی پابندی کرنا، اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچنا، نفسانی خواہشوں پر قابو رکھنا، اور موت کو یاد کر کے بُری خواہشات سے اجتناب کرنا۔
- لوگوں کو ایذاء رسانی سے باز رہنا۔
- خود انسان کا تنہائی میں اپنے آپ سے حیا کرنا اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو حاضر سمجھ کر تمام گناہوں سے بچنا۔

موجودہ دور میں جدید ایجادات کی وجہ سے بے حیائی، عریانی اور فحاشی کی باتیں آسان اور سہولت سے دسترس میں آجاتی ہیں لیکن ایک مومن کی یہ شان نہیں کہ وہ ایسی باتوں میں مبتلا ہو، یا ایسی باتوں کو پھیلانے کا سبب بنے کیوں کہ یہ گناہ کبیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ترجمہ: جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی یعنی تہمت بدکاری کی خبر پھیلے ان کو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب ہوگا اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (النور:۱۹)

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

۱۔ عفت و حیاء کے مظاہر کیا ہیں؟ مثالوں سے واضح کریں۔

۲۔ عفت و حیاء کی فضیلت پر قرآن و حدیث کی روشنی میں نوٹ تحریر کریں۔

۳۔ دین اسلام میں عفت و حیاء کی کیا اہمیت ہے؟

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

۱۔ عفت و عصمت کا مفہوم کیا ہے؟

۲۔ حیاء کے لغوی معنیٰ اور مطلب تحریر کریں۔

۳۔ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی صفت حیاء کو احادیث میں کس طرح بیان کیا گیا ہے؟

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے "✓" کا نشان لگائیں:

۱۔ عفت کے لفظ کے ساتھ دوسرا لفظ استعمال ہوتا ہے:

(الف) عصمت	(ب) پاک دامنی
(ج) پرہیز گاری	(د) پاکیزگی

۲۔ حیاء کو اہم شعبہ کہا جاتا ہے:

(الف) اسلام کا　　(ب) ایمان کا

(ج) شریعت کا　　(د) قرآن وسنت کا

۳۔ اسلام میں لباس کے جو دو مقاصد ہیں وہ ہیں:

(الف) سادگی اور صفائی　　(ب) عمدگی اور نفاست

(ج) ستر اور زینت　　(د) سفیدی اور کشادگی

۴۔ حدیث میں ایمان کی شاخوں کی تعداد فرمائی گئی ہیں:

(الف) پچاس سے زیادہ　　(ب) ستر سے زیادہ

(ج) اسی سے زیادہ　　(د) نوے سے زیادہ

۵۔ بعض حکماء نے حیاء کے مراتب بتائے ہیں:

(الف) دو　　(ب) تین

(ج) چار　　(د) پانچ

ہدایات برائے اساتذہ کرام

طلبہ وطالبات کو عفت وحیا کے اس سبق میں دی گئی احادیث بمعہ ترجمہ برزبان یاد کروائی جائیں اور ان کا تلفظ درست کروایا جائے۔